ABC سے تصدیق شدہ

ہفت روزہ

# احوال

کراچی

۹ تا ۱۵ اگست ۹۰ء


بے نظیر چلی گئیں

جتوئی آ گئے

- فاروق مودودی نے جماعت کے ڈھول کا پول کھول دیا!



## یہودیوں کے سر پر صدر صدام کی تلوار

کویت پر ۲۳۸ سالہ شاہی خاندان کا خاتمہ

- امریکہ ہل گیا۔ روس لرز گیا اور سامراجی ایجنٹ کانپ اٹھے!
- مقبوضہ عرب علاقوں کی بازیابی کیلئے اُمتِ مسلمہ کو انتظار ہے

ایگزیکٹو ایڈیٹر: محمد احمد صدیقی — مدیر اعلیٰ: ابو جنید


**زرتعاون سالانہ**

| | | |
|---|---|---|
| پاکستان | ۳۰۰ | روپے |
| سعودی عرب | ۲۰۰ | ریال |
| متحدہ عرب امارات | ۲۰۰ | درہم |
| بھارت و بنگلہ دیش | ۲۵ | امریکی ڈالر |
| افریقہ و ایشیا | ۵۰ | امریکی ڈالر |
| یورپ | ۵۵ | امریکی ڈالر |
| امریکہ و آسٹریلیا | ۶۰ | امریکی ڈالر |

زرتعاون پاکستانی کرنسی میں کسی ایسے بنک کی معرفت ارسال فرمائیں جس کی کراچی میں شاخ ہو۔


**دفتر رابطہ**

۶۱۲ یونی شاپنگ سینٹر
ریجنسی مال عبداللہ ہارون روڈ صدر کراچی
فون: ۵۱۲۷۷۵



پبلشر محمد احمد صدیقی نے النور پبلیکیشنز کے تحت پرنٹر ارشاد احمد خان مشرق پریس ۱۰۔ کورٹ روڈ سے چھپوا کر ۶۱۲ یونی شاپنگ سینٹر ریجنسی مال شاہراہ عراق صدر کراچی سے شائع کیا

اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ تو قریب ہے کہ یہ لوگ ہدایت والوں میں ہوں۔ تو کیا تم نے حاجیوں کی سبیل اور مسجد حرام کی خدمت اس کے برابر ٹھہرا لی جو اللہ اور قیامت پر ایمان لایا۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہ اللہ کے نزدیک برابر نہیں۔ اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا۔ وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں لڑے اللہ کے یہاں ان کا درجہ بڑا ہے اور وہی مراد کو پہنچے۔

سورۃ التوبۃ ۔ آیت ۱۸ تا ۲۰

(کنز الایمان)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے ہر نماز کے بعد

تینتیس بار سبحان اللہ

تینتیس بار الحمد للہ

اور تینتیس بار اللہ اکبر

کہا تو یہ ننانوے کلمات ہو گئے اور سو کا عدد پورا کرنے کے لئے کہا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر

تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے خواہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

(صحیح مسلم)

# بے نظیر چلی گئیں جتوئی آگئے

## اب عام انتخابات متناسب نمائندگی کی بنیاد پر ہونے چاہئیں

صدر مملکت غلام اسحاق خان نے اپنے مخصوص اختیارات کو کام میں لاتے ہوئے قومی اسمبلی توڑ دی، وزیر اعظم بے نظیر بھٹو اور ان کی کابینہ کو برخاست کر دیا۔ صدر نے جناب غلام مصطفےٰ جتوئی کو نگران وزیر اعظم مقرر کیا ہے اور اعلان کیا کہ آئندہ عام انتخابات ۲۴ر اکتوبر ۱۹۹۰ء کو ہوں گے۔ بے نظیر بھٹو نے ۲ر دسمبر ۱۹۸۸ء کو وزارت عظمےٰ کے عہدے کا حلف اٹھایا تھا جبکہ ۶ر اگست ۱۹۹۰ء ان کے عہدے کا آخری دن ثابت ہوا۔

صدر مملکت نے اپنی نشری تقریر میں وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کو برخاست کرنے کا اعلان کرتے ہوئے ان کی حکومت پر قانون سازی نہ کرنے، مشترکہ مفادات کی کونسل کا اجلاس نہ بلانے، فنانس کمیشن قائم نہ کرنے نیز پیپلز ورکس پروگرام کے ذریعہ آئینی صوبائی اختیارات میں مداخلت کرنے، بدعنوانی اور اقربا پروری کے سنگین الزامات عائد کرنے کے علاوہ بنکوں سے غیر قانونی قرضوں کی منظوری، عدالتوں کی خلاف ورزی، سرکاری کارپوریشنوں کا غلط استعمال، صدر کے استحقاق کو مجروح کرنے اور سب سے بڑھ کر عوام کے جان و مال کا تحفظ کرنے میں ناکام رہنے کے چارج بھی لگائے ہیں۔

صدر پاکستان نے وزیر اعظم جناب غلام مصطفےٰ جتوئی سے بطور وزیر اعظم پاکستان حلف لینے کے علاوہ چار رکنی کابینہ کے وزیروں سے بھی حلف لیا جن کے نام ہیں جناب سرتاج عزیز، جناب غلام مصطفےٰ کھر، جناب رفیع رضا اور جناب الٰہی بخش سومرو۔

احوال نے اپنے ۱۱ر جولائی کے شمارے میں یہ پیش گوئی کی تھی کہ ملک کی مجموعی سیاسی صورت حال اس نہج پر پہنچ چکی ہے کہ مارشل لاء یا مڈٹرم الیکشن اب اس کا منطقی نتیجہ دکھائی دیتا ہے۔ اسلام آباد میں جاری اقتدار کی سرد جنگ میں جو تیزی آئی تھی اس سے پتہ چلتا تھا کہ اس پیش گوئی کے پورا ہونے کا وقت آگیا۔ اور یہی ہوا ہے ۲۴ر اکتوبر کو مڈٹرم الیکشن ہونا قرار پائے ہیں اس طرح احوال کی پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی۔

شریعت بل سینیٹ سے پاس ہو کر قومی اسمبلی میں پہنچ چکا تھا۔ قومی اسمبلی میں اس پر بحث شروع ہونے والی تھی۔ برسر اقتدار پیپلز پارٹی کے لیے یہ بل ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ پیپلز پارٹی کے سرکردہ رہنماؤں کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید وہ اس بل کو سرے سے پاس کرنے کے موڈ میں نہیں تھے۔ کیونکہ ایک اخباری نمائندے کے سوال کے جواب میں جو اس نے شریعت بل سے متعلق کیا تھا سابق وزیر داخلہ اعتزاز احسن نے کہا کہ میں علامہ اقبال کے اس مصرعہ کو تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ اپنا جواب بنا کر آپ کو دیتا ہوں کہ

" میں کھٹکتا ہوں دلِ ملاں میں کانٹے کی طرح "

وزیر داخلہ کچھ بھی کہیں شریعت بل حزب اختلاف جماعت کے حق میں ایک کانٹے کی طرح ضرور چبھ رہا تھا۔ ایک ایسے ملک میں جو بنا ہی اسلام کے نام پر ہے نفاذ شریعت کے عمل کو روکا نہیں جا سکتا۔

برسر اقتدار جماعت کو زوال سے قریب تر لانے میں سب سے اہم رول اس کی صفوں میں پائے جانے والے کرپشن نے ادا کیا ہے۔ پیپلز پارٹی کے حکومت میں آنے کے بعد ٹین پرسینٹ، ہنڈریڈ پرسینٹ، ون مین شو جیسی اصطلاحیں عام ہوئیں۔ تحریک عدم اعتماد کے موقع پر "ہارس ٹریڈنگ" کی اصطلاح سامنے آئی جس کو وجود میں لانے کے مرکز اور پنجاب میں برسر اقتدار دونوں دھڑے ذمہ دار تھے۔

کرپشن، بدعنوانی اور رشوت ستانی کے ہاتھوں عوام سخت پریشان تھے مگر جب خالی خزانے کو بھرنے کے لیے عوام پر ٹیکسوں کا بوجھ لاد دیا گیا تو عوام کی آہ و بکا کی بازگشت فوجی حلقوں میں بھی سنائی دینے لگی آخر فوجی بھی عوام کا حصہ ہیں عوامی دکھ درد وہ کیسے برداشت کر سکتے تھے۔ حتیٰ کہ کرپشن، منافقت اور بدعنوانی موضوع بحث بن گئی۔ فوجی افسروں کو ان موضوعات پر سر عام گفتگو کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ جونیئر افسروں سے اعلیٰ افسروں تک اور جنرل مرزا اسلم بیگ تک کرپشن سے متعلق فوجی افسروں کی ناراضگی کی بات پہنچی۔

کرپشن اور بدعنوانیوں کی کہانیوں سے جب اخبارات کے کالم بھرنے لگے غیر ملکی جریدوں اور اخباروں میں بھی جب اس کی رپورٹیں چھپیں تو شروع شروع میں تو سابق وزیر اعظم بے نظیر بھٹو نے کرپشن کے الزامات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن جب بات زیادہ بڑھ گئی تو انہوں نے اپنے کچھ وزیروں کے خلاف تحقیقات کا حکم دیا اور بعد میں اعلان کر دیا کہ انہوں نے تحقیقات کرائی ہیں۔ مگر انہیں کرپشن کا شائبہ تک نہیں ملا۔ وزیر اعظم کے بیان سے حوصلہ پا کر ان کے شوہر آصف علی زرداری نے ملک کے اکثر موقر اخبارات اور جرائد کے خلاف مقدمات دائر کر دیئے۔ پی پی کے حلقوں نے الزام لگایا کہ ہماری پارٹی کی حکومت کے خلاف یہ تمام پروپیگنڈہ جنرل ہیڈ کوارٹرز میں ترتیب دیا جاتا ہے۔ تاہم بے نظیر صاحبہ نے اپنی حکومت کی تمام تر بدنامی کے باوجود کسی بھی وزیر کو برطرف، کابینہ سے نہیں کیا حتیٰ کہ عدالتی فیصلے کے علی الرغم وفاقی وزیر رائے احمد نواز اپنے عہدے پر بحال رہے۔

پی پی پی حکومت کی تنزلی کی دوسری وجہ سندھ کا مسئلہ ہے جسے وہ اپنی انیس ماہ کی حکومت میں، سندھ اور مرکز میں برسر اقتدار ہوتے ہوئے بھی حل نہیں کر سکی۔ سندھ کے مسئلے پر آرمی اور سول حکومت میں اختلاف ہونا قدرتی بات تھی، سول حکومت امن و امان

قائم کرنے کے لئے بار بار فوج کو شہروں میں طلب کرتی رہی، لیکن جب امن قائم نہ ہو سکا تو فوج صوبہ میں پولیس کا کردار ادا نہیں کر سکتی تھی اس لئے امن کو پائیدار بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے حکومت سے آئین کے آرٹیکل ۲۴۵ کے تحت اختیار طلب کئے، مرکزی حکومت نے اختیارات دینے سے پس و پیش کیا، اس کا موقف تھا کہ اس طرح فوج صوبہ سندھ میں غیر اعلان شدہ مارشل لاء نافذ کرنا چاہتی ہے جو بنیادی حقوق کی سلبی پر منتج ہوگا اور جمہوری حکومت کے لئے یہ صورت حال قابل قبول نہیں تھی، یہ بات جمہوری روایات کے عین مطابق تھی، لیکن سیاسی مبصرین کے مطابق اس کے پیچھے کچھ اور راز پنہاں تھے کہا جاتا ہے کہ پی پی کے کچھ صوبائی وزراء ڈاکوؤں کو پناہ دینے کے الزام میں ملوث ہیں، اختیارات ملنے پر فوج انہیں گرفتار کرتی فوج کے پاس ان کرپٹ وزراء کی لسٹ بمعہ ثبوت موجود ہے۔

سندھ سے ناجائز اسلحہ کی برآمدگی اور دہشت گردی کے خاتمے کے مسئلہ پہ تمام محب وطن قوتیں سخت اقدامات کی حامی تھیں لیکن سندھ اور مرکزی حکومتیں اس مسئلہ پر غیر جانبدارانہ رویہ اپنانے سے گریزاں تھیں، ایک میٹنگ میں جس کی صدارت بے نظیر بھٹو کر رہی تھیں، سندھ کے کور کمانڈر جنرل آصف نواز نے کہا کہ اگر ہمیں اختیارات دیئے جائیں تو ہم ایک ماہ میں سندھ کے حالات درست کر دیں گے اس پر وزیر داخلہ اعتزاز احسن نے کہا کہ ہم نے ایک لسٹ آپ کو دہشت گردوں کی دی تھی آپ نے انہیں تو گرفتار نہیں کیا، جنرل آصف نواز نے جواب دیا کہ آپ نے ہمیں ایک طرف کی لسٹ دی تھی ہم پارٹی نہیں بننا چاہتے، یہی وجہ ہے کہ آرمی نے سول حکومت کے ساتھ کسی بھی آپریشن کلین اپ میں جو ناجائز اسلحہ کی بازیابی اور دہشت گردی کے خاتمے کے لیے کیا جاتا تھا اس وقت تک ساتھ دینے سے انکار کر دیا جب تک اسے آئین کی دفعہ ۲۴۵ کے تحت اختیارات تفویض نہیں کر دیئے جائیں۔

بے نظیر بھٹو کے زوال کا تیسرا بڑا سبب ان کے فوج سے بڑھتے ہوئے اختلافات تھے۔ فوجی معاملات میں ان کی مداخلت فوج کو پسند نہیں آئی۔ بے نظیر بھٹو لاہور کے کور کمانڈر جنرل عالم جان محسود کی مدت ملازمت میں توسیع کرنا چاہتی تھیں جبکہ جونیئر جنرلز سروسز میں ایکسٹینشن کے حامی نہیں تھے کیونکہ اس طرح دیگر جرنلوں کا پروموشن رک جاتا ہے۔ خاص طور سے لیفٹیننٹ جنرل شمیم عالم خان، جنرل حمید گل اور جنرل آصف نواز کے چیف آف آرمی اسٹاف بننے کے مواقع معدوم ہو جاتے۔ جنرل اسلم بیگ تو اس بات کے بھی حق میں نہیں کہ انہیں بھی ایکسٹینشن دی جائے وہ اپنی مدت ملازمت کی تکمیل کے بعد دوسرے جرنلوں کے لئے عہدہ خالی کرنا چاہتے ہیں تاکہ سب کو انصاف کے ساتھ ترقی کے مواقع ملتے رہیں۔ سیاسی بنیادوں پر فوجی سروس میں توسیع سے فوج تقسیم ہوتی ہے لیکن ہمارے ہاں یہ برائی شروع سے ہی پیدا کر دی گئی جبکہ بھارت میں کسی جنرل کی مدت ملازمت میں توسیع نہیں کی جاتی اور وہ اپنا وقت پورا کر کے عزت سے ریٹائر ہو جاتا ہے۔ جنرل ضیاء کے دور میں جرنلوں کی مدت ملازمت میں توسیع کی گئی تھی جس نے فوج جیسے حساس ادارے پر برے اثرات مرتب کئے تھے بے نظیر نے توسیع کا چکر چلایا تو کور کمانڈروں نے صدر مملکت سے شکایت کی کہ بے نظیر فوج میں اختلافات پیدا کرنا چاہتی ہیں۔ اور وہ فوجی افسروں کو فوج کے ادارے سے زیادہ سیاسی افراد کا وفادار بنانا چاہتی ہیں۔

تاہم فوجی جنرلوں نے فیصلہ کیا کہ وہ فوجی سیٹ اپ میں کسی کو مداخلت کی اجازت نہیں دیں گے چنانچہ جنرل اسد درانی ریٹائرمنٹ کے وقت کے مطابق ۱۸ جولائی کو ریٹائر کر دیے گئے اور جنرل مرزا اسلم بیگ نے بے نظیر حکومت کی مداخلت کے بغیر کور کمانڈر کے تبادلے کئے اور اس سلسلے میں بے نظیر کے دباؤ کو قبول نہیں کیا۔

صدر محترم نے اپنی نشری تقریر میں بے نظیر بھٹو کی حکومت پر جو الزامات عائد کئے ہیں وہ روز روشن کی طرح عیاں ہیں، قومی اور بین الاقوامی پریس ان الزامات کی متعدد بار نشاندہی کر چکا ہے، اپنے تقریباً بیس ماہ کے دور اقتدار میں پی پی کی حکومت ایک قانون بھی نہیں بنا سکی کتنی حیرتناک بات ہے جبکہ قومی اسمبلی ایک قانون ساز ادارہ کہلاتا ہے اور اس کا کام ہی قانون سازی ہوتا ہے مگر پی پی کی حکومت نے سوائے بجٹ پاس کرنے کے اور کچھ نہیں کیا، صوبوں کے بے حد اصرار کے باوجود مشترکہ مفادات کی کونسل کا اجلاس طلب نہیں کیا ـــ، صوبوں میں قومی وسائل کی تقسیم کے لئے فنانس کمیشن کا اجلاس نہیں بلایا گیا اس طرح آئین کی کھلی خلاف ورزی کی گئی، پیپلز ورکس پروگرام ترتیب دے کر صوبائی خود مختاری میں مداخلت کا دروازہ کھولا گیا، اس پروگرام کو صوبائی انتظامیہ کے ہاتھوں میں دینے کے بجائے پیپلز پارٹی کے ہارے ہوئے کارکنوں کی جیبیں بھرنے کا اہتمام کیا گیا، بلوچستان کے سابق وزیر اعلیٰ نواب بگٹی کے بقول یہ پروگرام، پیپلز ورکس پروگرام نہیں بلکہ پیپلز پارٹی ورکرز پروگرام تھا،

پی پی کی حکومت میں بدعنوانی اور اقربا پروری کے تمام پچھلے ریکارڈ توڑ دیئے گئے، بنکوں سے قرضوں کی منظوری میں مروجہ قواعد و ضوابط کا رتی بھر لحاظ نہیں رکھا گیا، سرکاری کارپوریشنوں کو گھر کی کھیتی سمجھ لیا گیا ان اداروں میں کھلے عام لیٹرل انٹری لگی، عہدوں کی تقسیم میں قابلیت، صلاحیت اور تکنیکی مہارت کو بالکل نظر انداز کیا گیا۔ اعلیٰ عدالتوں کی توہین کی گئی ان کے فیصلوں کو درخور اعتنا نہ سمجھا گیا۔ وہ کام جو صدر مملکت کی صوابدید پر منحصر ہوتے ہیں ان کی پیشگی اجازت کے بغیر نہیں کئے جاتے ان اہم امور میں صدر کی منشاء اور مرضی لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ بہرکیف پی پی کی حکومت ختم ہوئی اور عام انتخابات کا اعلان ہو گیا ہے۔

عام انتخابات کے اس مرحلہ پر ہم صدر مملکت اور نگران وزیر اعظم سے پر زور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ ۲۴ اکتوبر کو ہونے والے عام انتخابات کا انعقاد متناسب نمائندگی کی بنیاد پر کرائیں۔ یہ طریقہ انتخاب پاکستان کے مخصوص سیاسی حالات کے لئے زیادہ سود مند ہے اس طریقے سے جہاں ایک طرف علاقائی پارٹیوں کی حوصلہ شکنی ہوگی وہاں دوسری طرف قومی جماعتوں کو ایوان نمائندگان میں پہنچنے کے زیادہ مواقع ملیں گے جو قومی اور اسلامی سوچ کی حامل ہیں موجودہ طریق انتخاب سے اسلامی پارٹیوں کے ووٹ تقسیم ہو جاتے ہیں اور لادینی و غیر اسلامی فکر رکھنے والی جماعتیں سادہ اکثریت سے جیت کر قومی اسمبلی میں پہنچ جاتی ہیں اس طرح قوم کی نمائندگی ان لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ جاتی ہے جو اکثریت کی نمائندگی نہیں کرتے آسان الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں مروجہ طریقہ ہائے انتخاب میں اقلیت اکثریت پر حکمرانی کرتی ہے جو بجائے خود جمہوریت کے بنیادی اصول کی نفی کرتا ہے۔

# یہودیوں کے سر پر صدر صدام کی تلوار

## کویت پر ۲۲۸ سالہ شاہی خاندان کا خاتمہ

محمد احمد صدیقی

**صدر بش** امریکی خفیہ ایجنسی پر برس پڑے۔ امریکی سی آئی اے ہاتھ ملتا رہ گیا یہ دنیا کا وہ ادارہ ہے جو کسی بھی ملک میں کوئی بھی حادثہ رونما ہونے سے پہلے معلومات حاصل کر لیتا ہے لیکن اپنے تمام تر وسائل کے باوجود کویت پر عراق کی فوج کشی کی اطلاع حاصل کرنے میں بری طرح ناکام رہا۔ کویت پر عراقی حملہ کا راز اس قدر پوشیدہ تھا کہ صدر بش نے اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ ہم مکمل طور پر حیرت زدہ ہیں کہ ہماری انٹیلی جنس ناکام کیوں رہی۔ اس واقعہ کی رازداری نے ہمیں تشویش میں مبتلا کر دیا ہے۔ عراق کے اس جرأتمندانہ اقدام سے امریکی صدر بھی حیران و پریشان ہیں۔

کویت پر عراق کی فوج کشی سے ۲۲۸ سالہ — شہنشاہیت ختم ہو گئی ہے ۲ اگست کی صبح عراق کی فوج کویت میں داخل ہوئی اور چند گھنٹوں میں اس نے ۲۲۸ سالہ تاج شاہی کو روند ڈالا اور کویت کے امیر شیخ جابر الاحمد الصباح کو سعودی عربیہ میں پناہ لینے کے لئے بذریعہ ہیلی کاپٹر بھاگنا پڑا۔ ہٹلر نے تو دوسری جنگ عظیم میں چوبیس گھنٹوں میں آدھا پولینڈ فتح کیا تھا لیکن تاریخ میں شاید پہلا واقعہ ہے کہ چند گھنٹوں میں کسی ملک پر اس طرح فتح حاصل کی گئی ہو۔

جمعرات کی صبح جب عراقی فوج کویت پر مکمل قبضہ کر چکی تو دنیا والوں کو خبر ہوئی کہ کویت کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا ہے اور ۲۲۸ سالہ تخت شاہی چند گھنٹوں میں تاراج کر دیا گیا۔ عراق نے کویت پر فوج کشی کی یا عراقی فوج کویت کی اپنی عوام کی دعوت پر کویت میں داخل ہوئی۔ حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ کویت میں امیر کویت کو معزول کر دیا گیا ہے اور ایک انقلابی کونسل قائم کر دی گئی ہے جو حالات کے معمول پر آنے پر انتخابات کروائے گی اس تناظر میں یہ بات پایۂ تصدیق کو پہنچی ہے کہ بظاہر عراق کا کویت پر قبضہ کرنے کا ارادہ نہیں ہے بلکہ شاہی حکومت کو ختم کر کے عوامی حکومت کا قیام کرنا ہے اور جمہوری عمل کا اجراء کرنا ہے۔

امریکہ جو انسانی حقوق کا چیمپئن بنتا ہے اور جمہوریت کی علمبرداری کا سب سے بڑا ٹھیکیدار ہے اس عمل پر سخت برافروختہ ہے دراصل اسکو اس بات کی خوشی نہیں ہے کہ جمہوریت کیوں آگئی۔ غم اس بات کا ہے کہ اس کے ایک حاشیہ بردار کا خاتمہ ہو گیا۔ امریکہ کو یہ بھی دکھ ہے کہ عالمی سیاست میں شطرنج کی

جالیں تو وہ جلتا ہے صدر صدام کو اتنی خداداد طاقت کہاں سے حاصل ہو گئی کہ انہوں نے عالمی سیاست میں ایک ہاتھی کو مات دیدی ،

عالمی بساط پر مات کھانے کے بعد امریکہ نے کھسیانی بلی کھمبا نوچے کا کردار ادا کیا اور فوری طور پر عراق اور کویت کے تمام اثاثے منجمد کر دیئے امریکہ کے ایوان نمائندگان اور سینیٹ نے عراق پر اقتصادی پابندی لگانے سے متعلق فوری طور پر قرارداد منظور کر لی ، سینیٹر کرسٹوفر نے کہا کہ امریکہ اگر اقتصادی ناکہ بندی کو کامیاب بنانا ہے تو اسے بین الاقوامی برادری کو اپنے اس اقدام میں شامل کرنا ہوگا ، عراق کے اس جراتمندانہ اقدام کا امریکہ پر اسقدر اثر ہوا کہ وہ حواس باختہ ہو گیا ، لرز گیا اور پاگل پن میں سینیٹر کرسٹوفر نے بازاری زبان استعمال کی ۔

عالم اسلام کے اس جوانمرد سپوت جو بغداد کی سرزمین پر صلاح الدین ایوبی کے روپ میں نمودار ہوا ہے اس کی دشمنی میں امریکہ اور روس دونوں نے مشترکہ لائحہ عمل اختیار کر لیا ہے ، روس اور امریکہ دونوں کی جانب سے ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا جسمیں کویت پر عراق کے حملے کی شدید مذمت کی گئی ، امریکی وزیر خارجہ جیمز بیکر اور روسی وزیر خارجہ ایڈورڈ شیوناٹز نے ایک مشترکہ بیان میں عراق سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی فوجیں کویت سے واپس بلائے امریکہ نے اپنے اتحادیوں سے تیل کی خرید سمیت عراق کے ساتھ تمام تجارت پر پابندی لگانے اور اپنے اپنے علاقوں میں عراقی اثاثوں کو منجمد کر دینے کیلئے کہا ہے برطانیہ اور فرانس نے بھی عراق کے تمام اثاثوں کو منجمد کرنے کا اعلان کر دیا ہے روس نے بھی عراق کو اسلحہ اور فوجی ساز و سامان کی فراہمی معطل کر دی ہے ، روس کے اعلامیہ کے مطابق اسلحہ کی سپلائی پر پابندی امریکہ کی درخواست پر کیا گیا ہے ۔

عراق نے اس کے ردعمل میں امریکہ کے قرضوں کی ادائیگی روک دی ہے معتبر اطلاعات کے مطابق امریکی صدر بش عراق کے خلاف فوجی کارروائی کا ارادہ رکھتے ہیں ، امریکہ کے محکمہ دفاع کے مطابق امریکی طیارہ بردار جہاز یو ۔ ایس ۔ ایس ساراٹوگا خلیج کی طرف بڑھ رہا ہے اس کے علاوہ امریکہ کے آٹھ جنگی جہاز پہلے ہی خلیج میں موجود ہیں ، امریکہ کی پوری کوشش ہے کہ سعودی عربیہ کو عراق سے بھڑا دیا جائے ۔

امریکہ سعودی عربیہ کو غائبانہ طور پر اپنی ایک ریاست سمجھتا ہے اور اسکی دولت سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے امریکہ نے سعودی عربیہ کو اپنی گرفت میں لینے کیلئے عراق کے ——— خلاف پروپیگنڈہ کا دروازہ کھول رکھا ہے اور سعودی عربیہ کو باور کراتا رہتا ہے کہ اگر عراق سعودی عربیہ پر حملہ کرے گا تو امریکہ اس کی پوری مدد کریگا ۔ حالانکہ عراق بار بار اس بات کی یقین دہانی کرا چکا ہے کہ سعودی عربیہ پر اس کا حملہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے ۔ لیکن امریکہ سعودی عربیہ کو یہی یقین دلانے کی کوشش کر رہا ہے کہ اب عراق اس پر حملہ کریگا جس کے نتیجہ میں سعودی عربیہ نے اپنی فوج کویت کے نزدیک آئل زون میں لا کھڑی کر دی ہے ادھر عراقی فوج بھی کویتی بارڈر کے قریب جمع ہے ۔ امریکہ نے خلیج میں ایک ملٹری پلیٹ فارم بنا رکھا ہے ۔

ان حالات میں ناقدین کا کہنا ہے کہ اس پلیٹ فارم سے امریکہ خود سعودیہ پر حملہ کریگا اور تاثر یہ دیگا کہ عراق

(باقی صفحہ ۲۷ پر)

# پاکستان کا منشا و مقصد

## صرف آزادی و خود مختاری نہیں بلکہ اسلامی نظریہ ہے (قائداعظم محمد علی جناحؒ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اسلام لیکر تشریف لائے اور دین متین کی تبلیغ شروع کی تو عرب کے تمام لوگوں نے ماسوا چند نفوس کے شور وغوغا شروع کر دیا۔ شروع شروع میں شور وغوغا کرنے والوں کے لئے یہ بات فطری تھی اس لئے کہ دین سے نابلد تھے ایک نئی چیز ان کے سامنے پیش کی گئی تو چلا اٹھے زیادہ تر لوگ تو ناواقفیت کی بناء پر چیخ وپکار رہے ہوئے تھے بعض کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض وعداوت تھی اس لئے وہ چیں بہ جبیں تھے۔ لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد جب حقیقت حال واضح ہو گئی تو جوق در جوق لوگ اس دین میں داخل ہو گئے۔ مسلمان ہونے کے بعد کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اسلام یا شریعت کے خلاف لب کشائی کرے۔ جبراً اسلام کسی پر مسلط نہیں کیا گیا۔ اپنی مرضی اور خوشی سے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ پاکستان میں جب شریعت کے نفاذ یا قانون سازی کی بات کی جاتی ہے تو نہ جانے کیوں بعض مخصوص لوگ یا چند جماعتیں اس کے خلاف محاذ آرائی شروع کر دیتی ہیں لوگوں کو تعجب ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنے کو مسلمان بھی کہتے ہیں اور شریعت سے چڑتے بھی ہیں۔ بالخصوص غیر مسلم یعنی ہندو۔ عیسائی اور یہودی یا لادینی نظریات رکھنے والے افراد خوش ہوتے ہوں گے کہ یہ دین ہی ایسا ہے کہ لوگ اس پر عمل کرنے سے گھبراتے ہیں۔

برصغیر میں پاکستان کے نام سے ایک نیا ملک بنانے کا مقصد اولین ہی یہ تھا کہ مسلمانوں کی اس خطے میں اکثریت اور انہیں اپنی مرضی اور خوشی سے اپنے دین کے مطابق عمل کرنے اور زندگی گذارنے کی آزادی ہو۔ اسلام جو ایک دین فطرت ہے اور اللہ کا آخری پیغام ہے اس پر اس ترقی یافتہ دور میں عمل کر کے یہ ثابت کر دیا جائے کہ یہ دین ابدی ہے اور انسانیت کی فلاح وبہبود اسی سے وابستہ ہے پاکستان کی تحریک میں اسلامی نظریہ ہی کارفرما تھا ورنہ ایک بڑے ملک کو تقسیم کر کے ایک چھوٹا ملک بنانے کی


پروفیسر شاہ فرید الحق


ضرورت ہی نہیں تھی۔ اسی لئے قائداعظم نے متعدد بار یہ فرمایا "پاکستان کا مقصد اور منشاء صرف آزادی اور خود مختاری نہیں بلکہ اسلامی نظریہ ہے"

نہ جانے کیوں پاکستان کے مسلمانوں کا ایک مخصوص گروہ اسلام۔ شریعت اور حدود تعزیرات سے کیوں الرجک ہو جاتا ہے۔ کیا اس لئے کہ بے ایمانی۔ لوٹ مار۔ رشوت ستانی قتل وغارتگری غبن۔ امانت میں خیانت۔ جھوٹ بدعہدی۔ ایذارسانی وغیرہ جیسے جرائم کی پکڑ ہو گی اور سزا ملے گی۔ یا اس لئے کہ مادر پدر آزاد جیسی آزادی پر قدغن لگ جائے گی۔ لوگوں کے حقوق غصب کرنے کی اجازت نہیں ہو گی۔ یا اس لئے کہ غربت اور امارت میں ایسا فرق نہیں پیدا کرنے دیا جائے گا کہ ایک کو تو دو وقت پیٹ بھر کر روٹی نہ ملے دوسرے کو اتنا ملے کہ وہ ہضم نہ کر سکے اور عیش وعشرت کی زندگی گذارے یا اس لئے کہ مظلوموں کی دادرسی ہو گی۔ ظالم کو ٹھکانے لگا دیا جائے گا۔ یا پھر اس لئے کہ چوری پر ہاتھ کٹیں گے۔ زنا اور شراب پر کوڑے لگیں گے۔ کیا سرمایہ دار زکوٰۃ نہیں دینا چاہتا کیا کاشتکار عشر دینے سے گھبرا رہا ہے۔ کیا فحاشی اور بے حیائی پر روک لگنے سے پریشانی ہے۔؟ کیا معاشرہ میں عدل واحسان کے قیام سے پریشانی لاحق ہے۔ عجیب ماجرا ہے۔ پریشان ہونے والے غریب اور نچلے متوسط طبقے کے لوگ نہیں ہیں۔ بڑے ہیں وہ حاکم ہیں جو اپنے کو اللہ اور رسول کے قوانین سے بالا رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے جرم کی پردہ پوشی ہوتی ہے۔ دوسرے جرم کریں تو سزا ملتی ہے۔

اسلامی شریعت میں اللہ کا قانون نافذ ہو گا معاشرہ میں سب کے ساتھ مساوی سلوک ہو گا۔ سب کا احتساب ہو گا۔ عدالت میں حاکم اور رعایا کے ساتھ یکساں قانون کے تحت فیصلہ ہو گا سب کو روٹی۔ کپڑا اور مکان دینے کا بندوبست ہو گا۔ دولت چند ہاتھوں میں مرکوز نہیں ہو گی۔ سودی معیشت کا خاتمہ ہو گا۔ مرد اور عورت کے

سینیٹ کے تمام
مسلم لیگی اراکین
بمع محمد خان جونیجو
اس بل کی مخالفت
کر رہے تھے!

معاشرتی حقوق یکساں ہوں گے، سب کو مساوی ترقی کے مواقع مہیا کئے جائیں گے۔ عورتوں کو ان کا صحیح اور جائز مقام عطا کیا جائے گا۔

پھر کیوں واویلا ہے شریعت کے خلاف کیوں محاذ آرائی ہے ارے بھائی مسلمان کیوں ہوئے، اسلام کا لبادہ کیوں اوڑھا چھوڑ دو اسے نہیں یہ ممکن نہیں۔ مسلمان تو رہیں گے لیکن شریعت نہیں مانیں گے۔ یہ منافقت ہے بلکہ غداری ہے غداری اور بغاوت کی سزا کیا ہے اس کا فیصلہ وہ لوگ خود کریں جو ایسا کرتے ہیں۔

پاکستان کی پارلیمنٹ کے ایک ادارے نے جسے ایوان بالا یا سینیٹ کہتے ہیں ایک شریعت بل اتفاق رائے سے ۱۳ مئی ۱۹۹۰ء کو منظور کر لیا ہے۔ یہ بل اب قومی اسمبلی میں پیش ہوگا پھر یہ قانونی شکل اختیار کریگا۔ قومی اسمبلی میں جانے سے پہلے ملک میں اس کے خلاف خود مرکزی حکومت کی طرف سے اور بعض دوسرے لوگوں کی طرف شور و غوغا ہو رہا ہے تعجب یہ ہے کہ کچھ پڑھے لکھے سمجھدار حضرات بھی بلا سوچے سمجھے لایعنی گفتگو کر رہے ہیں۔ بعض حضرات بل کا مطالعہ کئے بغیر اول فول بک رہے ہیں۔ ادھر صدر مملکت بل کے سینیٹ سے منظور ہونے کے بعد مبارکباد دے چکے ہیں۔

یہ بھی عجب سانحہ ہے کہ موجودہ صدر صاحب جب سینیٹ کے چیئرمین تھے تو اس بل کے مخالف تھے بلکہ سینیٹ کے تمام مسلم لیگی اراکین معہ ان کے وزیر اعظم محمد خان جونیجو اس بل کی مخالفت کر رہے تھے۔ یہ لوگ اس بل کی جگہ کوئی دوسرا متبادل شریعت بل لانے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے لیکن اپنے دور اقتدار کے تین سال میں ایسا نہ کر سکے۔ اسی لئے اس نجی شریعت بل کے منظور ہونے میں پورے پانچ سال لگے ۱۹۸۵ء میں یہ پیش ہوا تھا اور ۱۳ مئی ۱۹۹۰ء کو منظور

دراصل یہ مسودہ قانون جو شریعت بل کے نام سے موسوم ہے۔ آئین پاکستان کے قرارداد مقاصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بنایا گیا ہے۔ آئین کو صرف اسلامی کہنے یا یہ کہ ساری کائنات پر حاکمیت بلاشرکت غیرے اللہ کی ہے اور منتخب حکمران اس کی نیابت میں کام کریں گے اس کا صرف تحریری طور پر اظہار کرنے سے مسئلہ حل ہو جائیگا۔ ہرگز نہیں جب تک اس تصور کو عملی جامہ نہ پہنایا جائے اسی لئے شریعت بل کی ضرورت ہے اس بل میں شریعت کے نفاذ کے لئے راستے متعین کئے گئے ہیں عدالتی نظام کو موجودہ صورتحال برقرار رکھتے ہوئے بعض ایسی تجاویز رکھی گئی ہیں جن کے ذریعے عدالتی فیصلے شریعت کے مطابق ہو سکیں اور لوگوں کو صحیح انصاف مل سکے۔

برا ہو مغرب زدہ ذہنیت کا جس کے نزدیک ہر وہ چیز طلبہ جوان کے معیار اور مزاج سے بیگانہ کھلنے لگی ہے۔ ڈیڑھ سو سالہ غلامی نے ہمیں اپنے طور و طریقہ، طرز دینی اور معاشرتی اقدار سے بھی بیگانہ کر دیا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ ہمارے بڑے بوڑھے، نوجوان اور بچے بچیاں مائیں بہنیں تک مغربیت کی لپیٹ میں آ چکے ہیں۔

پروپیگنڈہ یہ کیا جا رہا ہے۔ اگر شریعت بل اگر منظور ہوا تو لوگوں کے ہاتھ پیر ناک کان کاٹ دیئے جائیں گے۔ عورتیں گھر میں بند کر دی جائیں گی۔ فحاشی عریانیت پر پابندی لگ جائے گی۔ سود بند ہوگا۔ کاروبار ٹھپ پڑ جائے گا۔ ملائیت اپنا قدم جمالے گی۔ بنیاد پرست ہم پر غلبہ حاصل کر لیں گے۔ پھر مسجد ہوگی۔ چہرے پر داڑھی
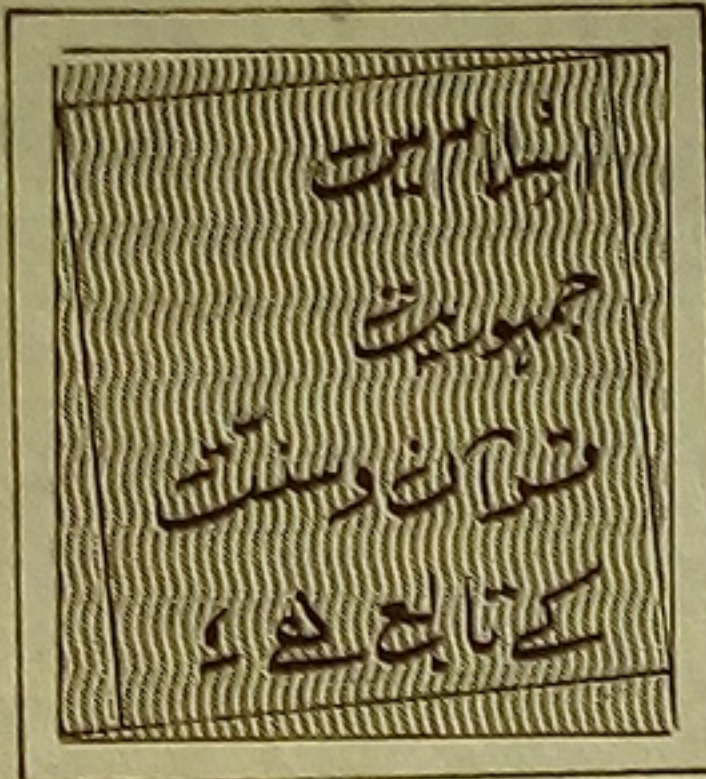
ہاتھ میں تسبیح بس اور کچھ نہیں۔

یہ پروپیگنڈہ ان لوگوں کی طرف سے کیا جا رہا ہے جنہیں کسی قسم کی مذہبی پابندی قبول نہیں ہے یہ لوگ اسلام کو صرف سیاسی چھتری کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں روز اول سے پاکستان میں یہی کھیل جاری ہے عوام پس رہے ہیں، مر رہے ہیں ان کا کوئی پوچھنے والا نہیں ایک مخصوص طبقہ صرف اپنی چودھراہٹ کی خاطر عوام کے ذہنوں کو پراگندہ کرتا رہتا ہے اور نہیں تو عورتوں کو شہ دے کر انہیں سامنے لایا جاتا ہے چند مغرب زدہ آزاد خیال عورتیں کبھی بھی نہیں چاہتیں کہ یہ معاشرہ پاک صاف ہو اور ان کی بے لگام آزادی اور نمائش پر کسی قسم کی کوئی پابندی لگ سکے،

موجودہ شریعت بل کے لئے یاروں نے ایک اور حربہ استعمال کیا ہے وہ یہ کہ اس بل سے فرقہ واریت بڑھے گی اسطرح مسلمانوں کے مختلف مذہبی گروہوں میں منافقت اور فساد جنم پائیں گے، اس وقت اس بل کی بلا سوچے سمجھے مخالفت ایک مذہبی اقلیتی گروہ شیعہ اثنا عشری کی جانب سے کیا جا رہا ہے،

حالانکہ اس بل میں اس گروہ کے متعلق کسی قسم کی کوئی بات نہیں کی گئی ہے، بلکہ ان کے معاملات پر کوئی قدغن لگائی گئی ہے، بل کی دفعہ ۲ میں یہ الفاظ تحریر کئے گئے ہیں "قوانین کی تعبیر شریعت کی روشنی میں کی جائے گی" تشریح اور تعبیر کرتے وقت اگر ایک سے زیادہ تشریحات اور تعبیرات ممکن ہوں تو عدالت کی طرف سے اس تشریح اور تعبیر کو اختیار کیا جائے گا جو اسلامی اصولوں اور فقہی قواعد کے ضوابط اور اصول ترجیح کے مطابق ہو، دوم جہاں دو یا دو سے زیادہ تشریحات و تعبیرات مساوی طور پر ممکن ہوں تو عدالت کی طرف سے اس تشریح اور تعبیر کو اختیار کیا جائے گا جو اسلامی احکام اور دستور میں بیان کردہ حکمت عملی کے اصولوں کو فروغ دے"

شیعہ حضرات خواہ مخواہ کی چیخ و پکار مچا رہے ہیں حالانکہ انہیں سوچنا چاہئیے کہ اس ملک میں قرآن و سنت کی وہی تشریح و تعبیر قابل قبول ہونی چاہئیے جسے اس ملک کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت قبول کرتی ہے وہ عظیم اکثریت فقہ حنفی پر عمل کرنے والے اہل سنت کی ہے چاہئیے تو یہ تھا کہ اس بل میں صاف طور پر فقہ حنفی کا ذکر ہوتا جیسا کہ ایران کے دستور میں فقہ جعفریہ کا ذکر ہے اور یہ لکھا ہوا ہے کہ اسلام کی تشریح و تعبیر وہی ہوگی جو فقہ جعفریہ کے مطابق ہوگی اور یہی مستقلاً ایران کا سرکاری مذہب ہوگا اسمیں کبھی کسی وقت کوئی تبدیلی نہیں لائی جا سکتی پاکستان کے موجودہ شریعت بل میں اس قسم کی تو کوئی دفعہ موجود نہیں ہے۔

پھر یہ کہ نہ جانے بعض عورتیں کیوں چیخ و پکار مچائے ہوئے ہیں حالانکہ سرے سے عورتوں سے متعلق کوئی دفعہ اس بل میں موجود ہی نہیں ہے، ہاں یہ البتہ ہے کہ کوئی قانون شریعت کے خلاف نہیں بنایا جا سکتا، ہر مسلمان شہری کو حتی الامکان شریعت مطہرہ کی پابندی کرنی ہوگی،

عورت ہو یا مرد جو بھی بالخصوص اپنی معاشرتی زندگی میں شریعت کے مقرر کردہ حدود کو توڑنے کی سعی کرے گا تو اسے اس کی اجازت نہیں دی جائے گی ہر مذہبی گروہ کو اپنے شخصی قوانین یعنی اپنی فقہ کے مطابق عمل کرنے کی پوری آزادی ہوگی اور عدالتیں

(باقی صفحہ ۲۹ پر)

## ٭ فاروق مودودی نے جماعت کے ڈھول کا پول کھول دیا

## ٭ جماعت اسلامی کو بیرونی امداد کس طرح ملتی ہے؟

محترم رفقائے تحریک اسلامی واحباب مولانا مودودی مرحوم بہت سوچ بچار کے بعد خاکسار حسین فاروق مودودی یہ عرضداشت بشکل مکتوب آپ لوگوں کی خدمت میں فرداً فرداً ارسال کرنے کا فیصلہ کر سکا ہے چونکہ آپ سب لوگ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے ہمارے والد مرحوم کی دعوت اور فکر سے متاثر ہو کر اپنی زندگیاں ان کی برپا کی ہوئی تحریک کے لیے وقف کر دی تھیں، اس لیے آپ حضرات سے میری یہ توقع بجا ہو گی کہ اس تحریک میں اگر کچھ کمزوریاں جگہ پا رہی ہوں تو آپ لوگ ہی ان کی اصلاح پر آمادہ ہوں اور اس چیز کو تباہی سے بچائیں جو آپ کو اپنی زندگی میں سب سے عزیز ہے۔

تفصیل میں جانے سے پہلے یہ عرض کر دوں کہ آپ حضرات کی خدمت میں یہ عریضہ ارسال کرنے سے پہلے مرکز کے قائدین سے عدل و انصاف حاصل کرنے کی پوری کوشش کی جا چکی ہے اور وہاں سے مایوس ہو کر آخری چارۂ کار کے طور پر اب آپ لوگوں کو اپیل کی آخری عدالت تصور کرتے ہوئے یہ معاملات آپ کے سامنے لائے جا رہے ہیں، ہماری قطعی خواہش نہیں ہے کہ معاملہ عام ہو اور دین اور تحریک کے مخالفین اس سے فائدہ اٹھائیں۔ اس سے آپ کو لازماً اس میں مداخلت کر کے معاملے کا تصفیہ کرانا چاہیے۔

آپ میں سے بیشتر کے علم میں اخبارات کے ذریعے اس مقدمہ اور عدالتی کارروائی کا قصہ آ چکا ہو گا جو جماعت کے زیر سرپرستی ایک ادارے "البلاغ لمیٹڈ" اور میرے چھوٹے بھائی حیدر فاروق کے درمیان کاپی رائٹ کے سلسلے میں چل رہا ہے یقیناً آپ لوگوں میں سے کچھ حضرات ہم (یعنی مولانا مودودی کے بیٹوں) کو مورد الزام ٹھہراتے ہوں گے۔ اور بعض کا گمان ہو گا کہ مولانا کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے اب صرف ان کی چھوڑی ہوئی کتابوں کو ہی اپنے ذاتی، معاشی اور کاروباری مفاد کے لیے استعمال کرنے کے خواہاں ہیں۔ اور ان کو ان اعلٰے مقاصد سے کوئی دلچسپی نہیں ہے جو ہمارے والد مرحوم نے اپنے پیش نظر ساری زندگی رکھے تھے، ہماری گذارش ہے کہ آپ اس عرضداشت میں درج شدہ پس منظر پر غور فرمائیں، تاکہ آپ کو مولانا مرحوم کے خاندان اور جماعت کے چند مرکزی بزرگوں کے درمیان کشمکش کی صحیح نوعیت سمجھ میں آ سکے، پھر اگر آپ حضرات تحریک اور مولانا مرحوم کے مقاصد سے ہنوز ویسی ہی مخلصانہ دلچسپی رکھتے ہوں جیسے کہ ماضی میں ان کی زندگی میں تھی تو اپنی تحریکی روایات کی روشنی میں ایسے موثر اقدامات اور کارروائی کریں جس میں ہم سب کے لیے خیر اور فلاح ہو، آپ ان حضرات پر دباؤ ڈالیں کہ وہ باہمی تصفیہ کریں اور معاملات کو عدالتوں میں نہ لے جائیں۔

رفقائے محترم! میں خود اپنی طرف سے اور اپنے ان بھائیوں کی طرف سے جو ملک میں موجود ہیں اور اس تضیہ میں "ملوث" ہیں، یہ اعتراف پیشگی کر لینا چاہتا ہوں کہ ہم لوگ کسی طرح بھی دینداری تقویٰ اور علم کے اعتبار سے کسی قسم کا امتیاز نہیں رکھتے اس لیے ہمارے لیے اس سے بہتر کچھ نہیں ہوتا کہ ہم مولانا کے ساتھیوں اور رفقاء کی رہنمائی میں اپنی عملی زندگی کی راہیں بنائیں لیکن ہمیں افسوس ہے کہ جماعت کے بعض اکابرین ہمارا جماعت میں آنے کا راستہ مسدود کر رہے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے والد مرحوم کی زندگی کے آخری سالوں میں ——— اور یہی وہ ایام ہیں جب ہم سن شعور کو پہنچے تھے، ہمیں بارہا احساس ہوتا رہا کہ مولانا مرحوم جماعت کے بعض ساتھیوں کے رویہ اور طرز فکر کی وجہ سے بے حد ملول اور مایوس ہیں

> ہمیں افسوس ہے کہ جماعت کے بعض اکابر ہمارا جماعت میں آنے کا راستہ مسدود کر رہے ہیں

# تحریک کو اپنے ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا رجحان بھی پیدا ہو گیا ہے

بارہا ہمیں اس امر کا احساس ہوا کہ معاملات کی خرابیوں کے سامنے مولانا مرحوم اپنے بعض ساتھیوں کے تعلق سے سخت ذہنی اذیت اور کوفت کا شکار ہوئے۔ لیکن جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ ان کا ایک خاص مزاج تھا اور وہ ہر ناخوشگوار چیز کو صبر و استقامت سے برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ان کی زندگی میں میرے لیے ـــــ جو کسی حد تک ان کے معاملات اور کاموں کی دیکھ بھال پر مامور تھا، ان کی اجازت کے بغیر کوئی کارروائی یا اقدام کرنے کا یارا نہ تھا۔ اس لیے گو ہم بہت کچھ سمجھتے جانتے تھے، لیکن ہم نے صرف حالات کو سمجھنے پر ہی اکتفا کیا۔ جب کہ مولانا مرحوم مرکز کے بعض ساتھیوں سے سخت دل گرفتہ تھے۔

میرے بیان کردہ حالات کی تصدیق کے لیے ابا جان مرحوم کا ایک خط مولانا وصی مظہر ندوی صاحب کے پاس موجود ہے جس میں انہوں نے جماعت کی موجودہ قیادت پر سخت بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے، جو حضرات چاہیں کہ وہ مولانا وصی مظہر ندوی صاحب سے اس خط کی نقل منگوا سکتے ہیں۔

ہمارے والد اور آپ کے قائد کے انتقال کے موقع پر بھی جو تلخیاں پیدا ہوئیں وہ آپ میں سے بہت سے لوگوں کے علم میں ہوں گی ہم نہیں سمجھتے کہ اس وقت جو کچھ ہوا اس میں ہم سے کوئی غلطی یا کوتاہی نہیں ہوئی ہو گی، ہو سکتا ہے کہ ہم نے بھی کسی نہ کسی درجہ میں غلطی کا ارتکاب کیا ہو، لیکن اگر آپ کو پورا پس منظر اور حالات اور تحریک کے مزاج میں انحطاط و تغیر کا علم ہو تو آپ حضرات صرف ہم لوگوں کو موردِ الزام شاید نہیں ٹھہرائیں گے، اصل صورت حال یہ ہے کہ مولانا مودودی جب سے جماعت کی امارت سے علیحدہ ہوئے، آہستہ آہستہ اس کی موجودہ قیادت کا مزاج روبہ انحطاط ہوتا گیا۔ سیاسی کاموں اور مصروفیات کے انہماک نے کردار اور اخلاق کا بحران ہی پیدا نہیں کیا بلکہ جماعت کے بہت سے لوگوں میں تحریک کو اپنے ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا رجحان بھی پیدا ہو گیا۔ آپ کو شاید یاد ہو گا کہ اس کا پہلا مظاہرہ اس وقت ہوا جب میاں صاحب نے ایک بیان جماعت کے دوسری جماعتوں کے انضمام کے بارے میں دیا تھا، مولانا کو اس سے سخت دکھ پہنچا اور جب

بار بار ان کے طلب کرنے پر بھی منصورہ سے کوئی معقول بات سامنے نہیں آئی تو والد مرحوم نے اپنی ذاتی حیثیت میں اخبارات کو ایک بیان جاری کیا۔ صریح غلط بیانی کا ارتکاب کرتے ہوئے منصورہ کے بعض قائدین نے اخبارات کو اس نوع کے ٹیلی فون کیے کہ مولانا نے اپنا بیان واپس لے لیا ہے اس کو شائع نہ کیا جائے۔ ایک اخبار نے براہ راست ہمارے گھر پر رابطہ قائم کر کے جب بیان واپس لینے کے بارے میں مولانا سے دریافت فرمایا، تو مولانا کا جواب بہت مختصر تھا انہوں نے فرمایا تھا کہ "یہ بتایئے کہ میں نے اپنی پوری سیاسی زندگی میں کوئی بیان جاری کر کے کبھی واپس لیا ہے؟"

مولانا کی ذات کو تحریک کے بعض رہنمایانِ کرام نے صرف اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا سلسلہ عرصہ دراز سے شروع کر رکھا تھا، لیکن مولانا صبر و تحمل سے کام لیتے رہے پھر اس سے بڑھ کر جب مولانا کی تحریریں اور خطابات بھی اقامتِ دین کے بجائے اپنے تجارتی اور معاشی مفادات کے لیے استعمال ہونے لگے تو یہ بات حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگوں کو بھی ناگوار گزری اگر مولانا کی چھوڑی ہوئی چیزیں فی الواقع ان ہی اور صرف ان ہی مقاصد کے لیے استعمال کی جاتیں جن کے لیے مولانا نے یہ محنت و مشقت ساری زندگی کی تو شاید ہم کو بھی اعتراض نہ ہوتا، لیکن اب جب کہ صورت حال یہ ہے کہ منصورہ جو تحریک کا مرکز بنایا گیا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابوالاعلیٰ مودودی
۵۔اے ذیلدار پارک۔ اچھرہ
لاہور-۱۴ (پاکستان)

فون نمبر: ۲۵۰۰۰
حوالہ ۹۲۰
مورخہ 29.5.72

محترمی و مکرمی          السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ آپ نے جن حالات کی طرف توجہ دلائی ہے ان کو میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ دور ایسے وقت آیا ہے جب میری قوتیں جواب دے چکی ہیں۔ لندن سے واپسی پر مجھے آرام لینے کا موقع نہ ملا اور حالات کی نزاکت کو دیکھ کر میں میدان جنگ میں کود گیا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انتخابات کے پورے زمانے میں میں غیر متحرک رہا، حالانکہ وہ فیصلے کا وقت تھا۔ پھر انتخابات کے بعد مجھ پر [illegible] وجع المفاصل کا حملہ ہوا اور کئی مہینے تک میں اس قابل بھی نہیں رہا کہ دماغ پر سوچنے کا بار ڈال سکوں۔ پھر جب کچھ افاقہ ہو گیا اور میں نے اس پیچیدگی کو محسوس کیا جس میں جماعت اس وقت پڑ گئی ہے تو مجلس عاملہ اور مجلس شوریٰ میں خود شریک ہوا۔ لیکن اس سے فارغ ہوتے ہی دل کا دورہ پڑ گیا اور تجربے نے بتا دیا کہ میں اب اس بار کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اب اگر جماعت کو یکسو اور منظم کرنے کے لیے اجتماع عام بلانا ہے، یا اجتماع ارکان یا مجلس شوریٰ کے اجلاس کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے تو ان میں سے کوئی ایک تدبیر عمل میں لائی جا سکتی ہے۔ لیکن میں اب اس قابل نہیں رہا کہ اس طرح کے کسی اجتماع میں شریک ہو کر کوئی مؤثر کام کر سکوں۔ معالج تو مجھے صاف کہہ رہا ہے کہ اگر تم خودکشی نہیں کرنا چاہتے تو آئندہ کے لیے اس محنت سے سخت اجتناب کرو۔ اس حالت میں آپ اور جماعت کے دوسرے اہل الرائے اصحاب سر جوڑ کر بیٹھیں اور اس طرح کام کرنے کی راہ نکالیں جس طرح اچانک میرے مر جانے کی صورت میں کرنا ہوتا۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

بعض لوگ اسے خلافت کاروباری اور تجارتی مرکز کے
طور پر استعمال کرتے ہوں تو پھر ہم اپنا یہ قانونی
اور شرعی حق سمجھتے ہیں کہ اس صورت حال پر احتجاج
کریں اور اپنے جائز حقوق کے طلب گار ہوں۔

مولانا کے انتقال کے بعد جب ہمارے قانونی اور
شرعی حقوق پامال کرنے کا سلسلہ دراز ہو گیا تو میں
نے اباجان مرحوم کے دوستوں کے مشورے سے میاں صاحب
قبلہ کی توجہ ان امور کی طرف دلائی میاں صاحب نے
چوہدری رحمت الٰہی صاحب اور اسلم سلیمی صاحب پر
مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دے دی جو معاملات کی چھان
بین اور تصفیہ کرنے پر مامور تھی۔ کمیٹی کے نام سے
ظاہر ہو گا کہ یہ لوگ غیر جانبدار نہیں ہیں۔ اور مولانا
خلیل حامدی صاحب کی غیر اخلاقی کارروائیوں پہ
کسی قسم کی تادیب کرنا تو درکنار ان کے بارے میں کچھ
سننا بھی گوارہ نہیں کر سکتے کمیٹی کے دونوں ارکان نے
میاں صاحب کو واقعات سے لاعلم رکھا اس کا ثبوت
یہ ہے کہ میاں صاحب کی طرف سے حال ہی میں مجھے ایک
اطلاع سعودی عرب سے تشریف لاتے ہوئے ایک بزرگ
کی وساطت سے یہ ملی کہ اگر حسین فاروق صاحب کو
شکایات ہیں تو مجھے بتائی جائیں۔ حالانکہ ان تمام خطوط
کی نقول میرے پاس موجود ہیں۔ جو اس سلسلے میں میں
نے میاں صاحب کو ارسال کئے تھے مگر افسوس کہ انہوں
نے ان پر کوئی توجہ نہ دی غالباً وہ سارے خطوط بھی
مولانا خلیل حامدی صاحب اور دوسرے بزرگوں کو
بھی پہنچے ہیں اور میاں صاحب حقیقی صورتِ حال
سے بالکل لاعلم ہیں ان حالات سے یہ ظاہر ہوتا ہے
کہ جماعت میں ایک مختصر گروہ موجود ہے جو ہمارے
ملک کی بیورو کریسی کی مانند حقائق سے میاں صاحب
کو بے خبر رکھتا ہے اور ان کے فیصلے وہی ہوتے ہیں
جو وہ امیر جماعت سے کروانا چاہتے ہیں۔

چنانچہ اس کمیٹی کی کارروائی کا نتیجہ کوئی نہیں نکلا
قبل اس کے کہ ہمارے مابین مولانا کی تفاسیر
وغیرہ کی اشاعت و فروخت کے بارے میں کوئی بات
طے پاتے خود البلاغ لمیٹڈ کی جانب سے مقدمہ مکانی
مالکان کو عدالت میں لے جایا گیا۔ اور حقوق نشرو اشاعت
اس ادارہ کے نام رجسٹرڈ کرانے کی کوشش کی گئی۔
لیکن اس عدالت سے فیصلہ جماعت کے ان حضرات کے
خلاف صادر ہو گیا۔ اب عام عدالت میں مقدمہ کے
جانے کا پس منظر کچھ ہو تو پھر ہم لوگوں پر بنیادی
اور تجارتی مقاصد کے لیے عدالتی کارروائی کا آغاز
کرنے کی بات کیونکر صحیح قرار دی جاسکتی ہے صریح
حقائق یہ ہیں کہ بالا ہمیں اعتماد میں لیے بغیر
قانونی اور عدالتی کارروائی کا آغاز ان حضرات نے کیا
ہم نے نہیں کیا اس لیے اس سے جو کچھ بھی بدنامی تحریک
اور مولانا کے متعلقین کی ہوسکتی ہے اس کے ذمہ دار
وہ حضرات ہیں جنہوں نے "البلاغ لمیٹڈ" کے نام سے
تجارتی کمپنی بنائی اور پھر عدالت میں چلے گئے۔ یہ

> منصورہ جو تحریک کا مرکز بنایا گیا تھا، بعض لوگ اسے کاروباری اور تجارتی مرکز کے طور پر استعمال کرتے ہوں تو پھر ہم اس صورتحال پر احتجاج کرنا اپنا شرعی اور قانونی حق سمجھتے ہیں۔

دستاویزی چیزیں ہیں، جن کی تصدیق کرنا دشوار
نہیں۔

بہرحال اور بہر صورت میں ذاتی طور پر قطعاً مقدمہ
بازی اور عدالتی کارروائی کے حق میں نہیں تھا لیکن
ان حضرات نے حالات کو جس رخ پر ڈال دیا ہے کہ
سب میرے لیے اپنے بھائی فاروق حیدر کو اس قسم کی
کارروائی کرنے سے باز رکھنے پر ناکامی ہوئی، حیدر فاروق
صاحب کے بارے میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ وہ اپنے
مزاج، افتاد اور سوچ کے اعتبار سے ہم سب سے
علیحدہ راہ رکھتے ہیں اور ہمارے لیے ان کو سمجھانا
بڑا دشوار بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ بالخصوص اس پس منظر
میں جو ان حضرات کے رویوں کی وجہ سے ظاہر ہوا ہے
وہ آئندہ بھی اگر کوئی حکیمانہ کارگزاری کریں گے۔ تو
آپ حضرات خاندان کے دوسرے افراد کو اس کے لیے مسئول
نہ ٹھہرائیں۔ اس لیے کہ اسباب بہرحال موجود ہیں۔

منصورہ کی اس بیورو کریسی کے روحِ رواں جناب
خلیل حامدی صاحب ہیں۔ ان کی کاروباری صلاحیتیں
خالصتاً دنیادارانہ ہیں۔ ان کے پاس ذاتی دولت بھی بہت
جمع ہو گئی ہے اور جماعت کے فنڈ پر بھی جو تصرف ان کو
حاصل ہے وہ کم ہی کسی دوسرے کو ہو گا۔ اباجان
مرحوم کو زندگی میں بھی ان کے علم میں یہ بات آگئی
تھی کہ خلیل حامدی صاحب کے زیر سرپرستی ادارہ
"دارالعروبہ" کے حسابات آڈٹ نہیں ہوتے ہیں۔
وجوہات کیا ہیں مجھے معلوم نہیں لیکن کیا یہ آپ
حضرات کا فرض نہیں ہے کہ مرکز کے معاملات کے بارے
میں اس روایتی احتساب کا مطالبہ کریں جو مولانا مرحوم
کے الفاظ میں تحریک کی روح اور جان ہیں اور جس
کے بغیر جماعت کبھی راہ راست پر قائم نہیں رہ سکتی

خلیل حامدی صاحب خالص کاروباری شخصیت
ہیں ان کا پروگرام یہ ہے کہ مولانا مودودی کی ذات اور
نام کو دعوت اور اقامت دین کے نام پر اپنے ذاتی
مقاصد کے لیے بھرپور طریقے سے استعمال کیا جائے
اور انہوں نے ان مقاصد کے لیے متعدد ناموں سے تجارتی
اشاعتی ادارے اور کمپنیاں قائم کرنے کا سلسلہ شروع
کیا ہوا ہے مقصد یہ ہے کہ مولانا مرحوم کا خاندان اور
ہمارا ادارہ "ترجمان القرآن" ابھی ان کے ہی
رحم وکرم پر رہو۔ ہمارے ملازمین کو وہ ہمارے خلاف
استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرتے، مولانا کے اہل
خاندان کو ایک دوسرے کے خلاف بدگمان کرنے کی سعی
انہوں نے کی اور طرح طرح سے "ادارہ ترجمان القرآن"
کو مالی نقصان پہنچانے کی کارروائی بھی سامنے آتی
ہمارے ساتھ جو بدمعاملگیاں کی گئیں۔ وہ ایسی
شدید ہیں کہ جب تک آپ کے سامنے دستاویزی
شواہد نہ رکھ دیئے جائیں آپ کے لیے یقین کرنا دشوار
ہو گا۔ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ احتساب
کے لیے کسی کارروائی کا آغاز کروائیں ہم جو کچھ سامنے
لائیں گے پورے ثبوت کے ساتھ لائیں گے تاکہ ان حضرات
کی پروپیگنڈہ مشینری کا مسکت جواب دیا جا سکے اور
اس بدنامی سے جان چھوٹے جو مسلسل پروپیگنڈہ
کی وجہ سے ہمارے خاندان کی ہو رہی ہے۔

یقین کیجیے کہ اگر اب بھی جماعت کے عام رفقاء
نے احتساب کے لیے کوئی کارروائی نہیں کی تو یہ تحریک

جو صالح مقاصد کے لیے اٹھی تھی اخلاقی انحطاط اور تنزل کی ایسی دلدل میں گر جائے گی جہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ افسوس ہے کہ مولانا خلیل حامدی صاحب کے پھیلائے ہوئے جال میں جماعت کی مرکزی قیادت ایسی گرفتار ہو چکی ہے کہ ان کے خلاف کسی قسم کی کارروائی کرنا روز بروز مشکل تر ہوتا جارہا ہے ہمارے اور آپ کے یہ بزرگ جماعت کے اکابرین سے مشورہ اور اجازت کے بغیر جو چاہے کرتے رہتے ہیں۔ المنار بک سینٹر کے قیام کا پورا معاملہ اس کی بدترین مثال ہے اسلامک ریسرچ اکیڈمی کی رقوم بغیر اجازت اس ادارہ کو منتقل کرنے کے معاملہ کے گواہ خود چوہدری رحمت الٰہی صاحب ہیں۔ لیکن افسوس کہ میاں صاحب کو نظر معطل کرکے رکھ دیا گیا ہے۔

مولانا کی کتابیں اور تفہیم القرآن وغیرہ کو ناجائز طور پر چھاپنے کے لیے ایک پریس بھی منصورہ میں لگا دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے خلاف ہمارے احتجاج کو دبا دیا جاتا ہے۔

دراصل مولانا خلیل حامدی صاحب کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ وہ واحد واسطہ ہیں جو مشرق وسطیٰ سے پیسے حاصل کرنے کے لیے مرکز منصورہ کے پاس موجود ہے۔ وہ ہمیشہ میاں صاحب کے ساتھ باہر جاتے ہیں اور مولانا مرحوم کے نام پر اپنے تعلقات باہر کے حلقوں سے قائم کرتے ہیں۔ باہر سے رقوم کی آمد کے لالچ میں مولانا خلیل حامدی صاحب کی گرفت مرکز پر مضبوط ہو چکی ہے اور کوئی بھی ان کے بارے میں کچھ سننا گوارہ نہیں کرتا جماعت کے پرانے اور مخلص لوگ یا تو پیچھے چلے گئے ہیں یا اب کچھ بکتے اور کڑھتے رہتے ہیں جماعت کا ۸۰ فیصد بجٹ باہر سے آمدہ امانتوں سے پورا ہوتا ہے اور اس کی نصف سے زائد رقم اپنی پسند اور اعتماد کے فارغ کارکنوں کی تنخواہیں ان کو دی جانے والی بے دریغ مراعتوں پر صرف ہو جاتی ہے مرکز کی گاڑیاں مرکز کے ٹیلی فون ذاتی استعمال میں آتے ہیں اور گاڑیاں اکابرین جماعت کے عزیزوں کے استعمال میں بھی خراب ہوں تو اخراجات بیت المال پر ڈال دیئے جاتے ہیں۔

جماعت کے بعض اکابرین اپنی دنیا بنانے پر لگے ہوئے ہیں۔ ان میں بیشتر لکھ پتی ہو چکے ہیں اور کروڑپتی بننے کے خواہش مند ہیں لیکن ہم لوگ جب اپنے جائز حقوق کے طلب گار ہوتے ہیں تو ہمارے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ مولانا کی اولاد کو دین اور اس کے مقاصد سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ مالی فوائد کے طلب گار ہیں ہمیں اعتراف ہے کہ ہم اپنے مالی حقوق حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں۔ لیکن خالص جائز اور قانونی طریقے سے ہم مالی مفاد کے لیے کسی غیر اخلاقی مطالب کے مرتکب نہیں ہوتے ہیں جب کہ مولانا خلیل حامدی صاحب نے سعودی عرب سے ویزے لاکر ان کی غیر اخلاقی اور ناجائز فروخت تک کا کام اسی منصورہ میں بیٹھ کر کیا ہے۔ افسوس کہ توجہ دلاتے جانے اور ان کے تسلیم کرلینے پر بھی ان کی کوئی سرزنش نہیں کی گئی۔ مولانا خلیل حامدی صاحب نے سارا الزام اپنے بیٹے پر ڈال دیا اور خود بری الذمہ ہو گئے، حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ ان کے صاحبزادے نے کبھی سعودی عرب کا سفر نہیں کیا اور طائف کے ان بزرگ سے ان کے صاحبزادے کے کوئی روابط نہیں ہیں جن کے ذریعے ویزے حاصل کئے گئے ہیں۔

مالی امور میں بدمعاملگی اور زیادتیوں کا معاملہ صرف ہمارے ساتھ ہی نہیں ہو رہا ہے۔ خود مولانا مرحوم کو اس سے سابقہ اپنی زندگی میں پیش آچکا تھا۔ ایک بار بیس ہزار روپے کی رقم مولانا کو ادا کئے جانے کا دعویٰ کیا گیا۔ جو کویت کے ناشروں کی طرف سے رائلٹی بتائی گئی۔ لیکن یہ بات سراسر خلاف حقیقت ہے مولانا نے پوری طرح اپنے حسابات دیکھ کر یہ تبصرہ کیا کہ غالباً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو خدا کے ہاں حساب نہیں دینا ہے، مولانا محمد سلطان صاحب اس کے گواہ ہیں۔ آخری مرض الموت کے ایام میں اباجان مرحوم نے منصورہ کے ان ناظمین کو اپنی کتابوں کی رائلٹی کی ادائیگی کی طرف بار بار توجہ دلائی متعدد خطوط بیرون ملک کے پبلشروں کو ارسال کرنے کے لیے مولانا خلیل حامدی صاحب کے حوالے کئے لیکن کسی کا جواب موصول نہیں ہوا۔ جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ مولانا مرحوم کے خطوط بھیجے ہی نہیں گئے، امریکہ میں علاج کے لیے ان کو بیس ہزار ڈالر کی رقم بیرون ملک ایک صاحب سے لے کر دی گئی۔ اور یہ تاثر دیا گیا کہ یہ آپ کی رائلٹی میں سے دی جارہی ہے لیکن

ابوالاعلیٰ مودودی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۵۔ اے ذیلدار پارک۔ اچھرہ
لاہور۔ (پاکستان)

فون نمبر: ۸۲۵۰۰

حوالہ ۱۹۷۲
تاریخ ۲۶.۹.۱۵

برادرم جمیل شہر صاحب . السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ میرے متعلق آپ جانتے ہیں کہ ۱۹۲۸ء سے مسلسل انحطاط نے مجھے اس قابل نہیں چھوڑا ہے کہ کوئی کام اپنی ذمہ داری پر ہاتھ میں لے کر چلا سکوں۔ آپریشن کے بعد مجھے ایک دن بھی آرام لینے کا موقع نہیں ملا۔ ۶۹ء اور ۷۰ء میں شدید سختی کے میں لوٹ کر گھر نکلا ۔۱۰ ہو۔ ۷۱ء میں وجع المفاصل اور ۷۲ء میں وجع الفواد کے سخت حملے ہوئے اور آخر کار مجھے یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ اب اس نظام اور تحریک کو چلانا میرے بس میں نہیں ہے۔ اس وقت سے صحت کا بگاڑ بھی بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ اس حالت میں اصلاح احوال سے متعلق کچھ لکھ دینے اور کہہ دینے سے نہیں ہو سکتی۔ میں دعا کرتا ہوں کہ جو کام ٹھیک نیتی کے ساتھ خدا کے دین کی خدمت کے لیے شروع کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو سیدھے راستے پر قائم کر دے اور جو لوگ جماعت کو چلانے والے ہیں ان کی رہنمائی فرمائے۔ میں بوڑھا ہو گیا اب آخری مراحل طے کر رہا ہوں۔ بہت جیا تو سال دو سال اور جی لوں گا۔ مجھے کام تو انہی لوگوں کو کرنا ہے۔ یہ بھی اللہ ہی کا فضل ہے کہ جماعت کے لٹریچر میں وہ سب کچھ موجود ہے جس سے آگے کے مراحل میں رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس کی ضرورت محسوس ہو۔

خاکسار
ابوالاعلیٰ

راشنائی کا حساب نہیں دیا گیا۔ اور حساب نہ دینے پر اصرار بھی کیا گیا۔ مولانا مرحوم کا در اصل اس پر یہ کہنا تھا کہ میں صدقہ اور خیرات نہیں مانگ رہا ہوں۔ جو کچھ چاہتا ہوں اپنی راشنائی کے حساب کے مطابق چاہتا ہوں۔ مولانا مرحوم اپنے بچوں کے پیسوں سے علاج کرانے کے بجائے اپنی آمدنی سے علاج کے اخراجات پورے کرنے کے فطری طور پر خواہش مند تھے۔ یہ بات انہوں نے جماعت کے ایک بزرگ کو انتقال سے چند روز پہلے بھی کہی تھی جو کبھی نہ کبھی اس کی ضرور گواہی دیں گے۔ لیکن مولانا کی راشنائی کی کل آمدنی منصورہ میں مولانا خلیل حامدی صاحب کے تصرف میں رہی۔ تحریک کا قائد اور ہاں وہ ہزار ڈالر کا مقروض ہو کر سفر آخرت پر روانہ ہوا۔

اب ایسی تکلیف دہ صورت حال پر بھی اگر ہم لوگ احتجاج نہ کریں تو آپ ہی فیصلہ فرمائیے کہ کیا کریں ان کا قرضہ ڈاکٹر احمد فاروق مودودی ادا کر رہے ہیں کیا اس پس منظر میں جماعت کے قائدین کا احتساب اور مالی امور کی جانچ پڑتال کا معاملہ کوئی ناجائز مطالبہ اور گستاخی کے ہم معنی قرار دیا جا سکتا ہے؟

اگر پیر اشرف کے خلاف مالی بدعنوانیوں کے سبب کارروائی کی گئی تھی۔ تو مولانا خلیل حامدی صاحب کو ان سے کہیں زیادہ بدمعاملگیوں کے باوجود تادیبی کارروائی سے مستثنیٰ کیوں قرار دے دیا گیا ہے؟ وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ تیل کے ممالک سے پیسوں کی فراہمی کا ذریعہ ہونے کے سبب مرکز میں سب سے اہم شخصیت بن گئے ہیں، میاں صاحب اپنی سادگی درویشی، صحت اور بالخصوص آنکھوں کی تکلیف کی وجہ سے عملاً معذور معطل ہو چکے ہیں۔ ان پر جماعت کے کارکنوں کو جو لگاؤ اور بھروسہ مولانا کے قریب ترین ساتھی ہونے کی وجہ سے چلا آ رہا ہے۔ اس کے نتیجہ میں عام لوگ یہ باور کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے کہ میاں صاحب کی موجودگی میں مرکز میں اخلاقی انحطاط یہاں تک ہو سکتا ہے لیکن یہاں سب بے بس ہیں۔ اگر آج نہیں تو کل سارے حقائق منظر عام پر آ جائیں گے، ہماری درخواست تحریک کے بزرگوں سے صرف یہ ہے کہ وہ کوئی غیر جانبدارانہ تحقیقات مرکز کے معاملات کی جلد از جلد کرانے کا بندوبست کریں قبل اس کے کہ پانی سر سے اونچا ہو جائے۔ اور تحریک کو ناقابل برداشت نقصان پہنچ جائے۔

آپ حضرات نے اقامت دین کے مقصد کے لیے جو قربانیاں دی ہیں وہ ساری کی ساری رائیگاں چلی جائیں۔

یقین کیجیے کہ ان معاملات کو بیان کرنے سے ہمیں کوئی خوشی نہیں ہو رہی ہے۔ یہ ہمارے والد مرحوم ہی کی بدنامی کی ایک صورت ہے کہ ان کی برپا کی ہوئی تحریک اتنی جلد اس درجہ اخلاقی انحطاط کا شکار ہو جائے ہمیں اس وجہ سے ان باتوں کو سامنے لانے میں تامل رہا ہے اور ہمارے اہل خاندان کی اس کمزوری سے مرکز کے کاروبار کو چلانے والے یہ بزرگ ناجائز فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔ اگر ہم لوگ یہ مطالبہ کریں کہ جماعت کے اکابرین جماعت میں شامل ہونے سے قبل کے اثاثے ظاہر کریں تو بے جا نہ ہو گا۔ کیونکہ یہ حضرات اپنے بیانات اور تقاریر میں سیاست دانوں

**وہ واحد واسطہ ہیں جو مشرق وسطیٰ سے پیسے حاصل کرنے کے لئے مرکز منصورہ کے پاس موجود ہے۔**

سے بھی مطالبہ کرتے ہیں۔ دور نہ جائیں ابا جان مرحوم کے انتقال سے قبل کے ہی اثاثے ظاہر کر دیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس عرصہ میں یہ لوگ لکھ پتی بن چکے ہیں۔

افسوس ہے کہ جماعت میں بہت سے وہ بزرگ اب اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ جن پر آنکھ بند کر کے اعتماد کیا جا سکتا۔ نہ ڈاکٹر نذیر شہید رہے نہ کوئٹہ کے مولانا عبدالعزیز مرحوم۔ نہ مولانا جان محمد بھٹو صاحب جیسے سادہ شریف بزرگ رہے۔ نہ چوہدری غلام محمد مرحوم جیسے معاملات میں کھرے اور شفاف راہنما، جماعت کے معروف اکابرین میں سے ہم تجربہ کی بنیاد پر ایسا اعتماد نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہمارا مطالبہ ہے کہ جماعت کے متوسطین میں سے ایک ٹیم کمیٹی یا عدالتِ احتساب تشکیل دی جانی چاہیے جو جماعت کے مرکز کے معاملات پر بھرپور اور مکمل تحقیقات مرتب کرے ایسی ہی ایک ٹیم پر ہمیں اعتماد ہو سکتا ہے۔

ہم مثال کے طور پر چند نام یہاں درج کر رہے ہیں۔

۱۔ جناب خرم جاہ مراد (لیسٹر)
۲۔ جناب عاصم الحداد صاحب (سعودی عرب)
۳۔ میاں محمد علی صاحب (حیدر آباد)
۴۔ ڈاکٹر معصوم علی شیخ صاحب (بہاولپور)
۵۔ حکیم عبیدی صاحب (سکھر)
۶۔ جناب محمد صلاح الدین صاحب مدیر "جسارت" کراچی
۷۔ جناب محمد عثمان شمسی صاحب (لاہور)
۸۔ جناب فقیر حسین صاحب لاہور (جنہیں مرکزی مالیات کا طویل تجربہ ہے)
۹۔ سید اسعد گیلانی صاحب لاہور
۱۰۔ پروفیسر محمد سلیم صاحب (نواب شاہ)
۱۱۔ ملک غلام علی صاحب
۱۲۔ چوہدری نذیر احمد صاحب (سیالکوٹ)
۱۳۔ عبدالحمید کھوکھر صاحب (لاہور)

ان ناموں میں کمی بیشی کی جا سکتی ہے، لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ مرکز کے موجودہ رہنماؤں میں سے کوئی کمیٹی میں شامل نہ ہو اس لیے کہ ہماری فریاد ان کے خلاف ہے۔ وہ سب معاملہ کے فریق ہیں اس لیے حکم نہیں بن سکتے۔ اگر جماعت کی رائے عامہ اب بھی ایسی کوئی کارروائی کرنے میں ناکام رہی تو پھر جماعت کو تباہی سے بچانے کی کوئی کوشش مستقبل میں کامیاب نہیں ہو سکے گی۔

ہمیں امید ہے کہ جماعت کے سارے بزرگ ہماری اس عرضداشت پر واقعی اور قرار واقعی توجہ دیں گے۔ اگر ہماری کوئی غلطی ثابت کر دی جائے گی۔ تو ہمیں اس کی اصلاح کرنے میں کوئی تامل نہ ہو گا۔ اور ہم توقع کرتے ہیں کہ جماعت کے رہنما بھی حق و دیانت کی خاطر ان تحقیقات کو کسی قسم کے ذاتی وقار اور ڈسپلن کا مسئلہ نہیں بنائیں گے۔ لیکن یہ سمجھ لیجیے کہ اگر جماعت کی مرکزی قیادت کے یہ حضرات اپنے ساتھیوں اور جماعت کے کارکنوں کے سامنے کسی قسم کے احتساب کے لیے پیش ہونے سے گریز کریں تو اس کا مفہوم لازماً یہ ہو گا کہ ہماری شکایتیں بجا ہیں۔ یا کم از کم ان میں اتنا وزن ہے کہ معاملات کو آپ لوگوں کے سامنے لانے سے بچنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ کہنے کو دل تو نہیں چاہتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ مرکز کی قیادت سے وابستہ ان حضرات نے تحریک اقامتِ دین کو تحریک اقامتِ شکم بنا دیا ہے۔

"جسارت" مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۸۲ء میں محترم پروفیسر محمد سلیم صاحب (جو جماعت کے قدیم اور صاحب علم

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

وطنِ عزیز کے متعلق حرم پاک میں لکھی گئی فکر انگیز تحریر۔

# پاکستان

## کعبۃ اللہ کا بیٹا

لالہ صحرائی

یہ مکہ مکرمہ ہے، اور یہ حرم پاک ہے جہاں میں اس وقت بیٹھا یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ کعبۃ اللہ میرے سامنے ہے، اور اس کے سیاہ غلاف پر کوندتی ہوئی تجلیاں میری آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہیں۔ انہی تجلیوں کے پروانے اس کے گرد دیوانہ وار گھوم رہے ہیں ـــــ گھوم رہے ہیں، اور دنیا کی ابلیسی طاقتوں کو جکڑ رہے ہیں ـــــ وہ طاقتیں جو اپنے اُستادِ ازل، شیطان کے احکام کے تحت، اُمتِ مُسلمہ کو اپنے سامنے سرنگوں دیکھنے کے لیے شب و روز کے ہر لمحے، تدبیریں سوچنے، منصوبے بنانے اور ان منصوبوں کو کھلے اور چھپے طریقوں سے رُوبہ عمل لانے میں مصروف رہتی ہیں، اُمتِ مُسلمہ کے اس مرکزِ عمل، کعبۃ اللہ کی اعجاز آفرینی کے سامنے سرنگوں ہیں۔

یہ اسی مرکزِ ثقل، کعبۃ اللہ کی اعجاز آفرینی اور کرشمہ سازی ہے کہ اُمتِ مُسلمہ رہِ حیات میں گاہ بگاہ بھٹک تو جاتی ہے لیکن اپنے مدار سے نہیں ہٹتی۔ کعبۃ اللہ اپنی بے پناہ قوتِ جذب و کشش سے اسے اپنی طرف کھینچ ہی لاتا ہے۔ خلق کے راندے ہوئے اور دنیا کے ٹھکرائے ہوئے افرادِ ملت اسی کے سائے میں آ کر آسودگی حاصل کرتے ہیں اور وہ سکونِ قلب پاتے ہیں جس کی خاطر اللہ کے باغی ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں، اربوں روپے خرچ کر ڈالتے ہیں، لیکن یہ نعمت بہرحال ان سے اتنی ہی دور رہتی ہے جتنا زمین سے آسمان۔

ہاں تو قارئین، میں کہ جو گناہوں کی تپش سے جھلسا ہوا تھا اور میں کہ جس کے دماغ میں وسوسوں اور اضطراب کا ایک پورا خارزار اُگا ہوا تھا اور میں کہ جس کے دل میں مکروہاتِ دنیا سے محبت کی وحشت سامانیاں رقص کناں تھیں اور میں کہ تشنگی کا اضطراب جسے سالہا سال سے ایک سراب سے دوسرے سراب تک نامُرادی کے سفر میں سرگرداں رکھتا تھا ـــــ آج حرم پاک میں موجود ہوں اور سچے سکونِ قلب کی سرمدی نعمت سے ہمکنار ہوں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اپنے گھر سے بڑھ کر کوئی پُرسکون گوشۂ عافیت مجھے دُنیا میں میسر آ گیا ہے، دل میں کسی وسوسے کا کانٹا ہے نہ کسی پریشانی کا خرخشہ، دُنیا کی کسی نعمت کی آرزو ہے نہ آسائش کی تمنا۔ رُوح میں گناہوں کی تپش اور جلن پر بھی ٹھنڈک سی پڑ گئی ہے ـــــ یہی محسوس ہوتا ہے کہ میرا اپنا چھوٹا سا گھر، جو یہاں سے ہزاروں میل دُور واقع ہے، شاید دوش ہوا پر اُڑ کر یہاں حرم پاک ہی کے ایک گوشے میں آن سمایا ہے۔ اور میرا چھوٹا سا گھر ہی نہیں بلکہ وہ میرا بڑا سا وسیع گھر جسے پاکستان کہتے ہیں وہ بھی کعبۃ اللہ کے سائے میں پہنچ گیا ہے۔

مولانا ظفر علی خان نے اپنے بعض اشعار میں دنیا کی مساجد کو کعبۃ اللہ کی بیٹیاں کہا ہے۔ اس شاعرانہ تصور کے تحت کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان کعبۃ اللہ کا بیٹا ہے

قارئین! خالقِ حقیقی نے جب اس کائنات کو وجود بخشا، اسے نِک سِک سے دُرست کیا، اسے حسین مظاہر سے دُلہن کی طرح آراستہ و پیراستہ کیا تو حضرتِ انسان کو اس سجی بنی عروسِ کائنات کا دُولہا بنا کر بھیجا۔ اس کے بعد اللہ نے چاہا کہ اس حسین و آراستہ کائنات کی بخشش پر اپنے خالق کو خوش کرنے اور اس کا شکر بجا لانے کی خاطر

انسان کو یہاں ایک گوشۂ تفکر بھی فراہم کیا جائے۔ اس غرض کے لیے خالقِ کائنات نے کرۂ ارض کے عین وسط میں کوہ و صحرا کے درمیان ایک قطعۂ زمین کا انتخاب کیا، پھر ایک طرف رفیع الشان آسمانوں کو حکم دیا کہ وہ اس بے آب و گیاہ خطۂ زمین سے تجلّک کے ملیں جس کے بطن میں رحمتوں کے چمن کھلے ہوئے ہیں، اور دوسری طرف اس کی مشیت کو یہ منظور ہوا کہ اس جگہ اس کا ایک گھر وجود میں آئے جسے اس کے بندے اپنے جذبۂ تشکر اور جذبۂ عبودیت کے اظہار کا وسیلہ بنائیں۔

یہ گھر وجود میں آگیا تو اللہ کے فرمانبردار بندوں نے اس گھر کو اپنا مرکزِ عبودیت مانا جبکہ اس کے نافرمان بندوں نے اپنے بندگی اور عبادت کے دوسرے ہی مرکز تجویز کر لیے۔ اس طرح کعبۃ اللہ اللہ کے فرمانبردار بندوں کی پہچان اور ان کے تشخص کا ذریعہ بن گیا ــــ یہ تشخص صدیوں اور قرنوں سے اللہ کی فرمانبرداری اور اطاعت شعاری پر ایمان رکھنے والوں کے جذبۂ ایمان کا مظہر چلا آرہا ہے۔ اس تشخص کے احساس نے جب بھی اہلِ ایمان کے دلوں میں زور پکڑا، دنیا میں یک بیک ایک نیا سویرا طلوع ہو گیا۔ خدا کے باغیوں اور نافرمانوں کے پھیلائے ہوئے سارے اندھیرے کافور ہو گئے، اُن کے سارے منصوبے تہس نہس ہو گئے اور دُنیا کی تاریخ اور جغرافیہ دونوں اُتھل پُتھل ہو گئے۔

قارئین! اسی تشخص کے احساس نے آج سے تقریباً پچاس برس پہلے، جب جنوبی ایشیا کے ایک خطے میں آباد مسلمانوں کے دلوں میں زور پکڑا اور شدت اختیار کی، تو وہاں ایک زلزلہ سا برپا ہوا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے جغرافیۂ عالم کا سینہ شق ہوا اور اس میں سے ایک نیا مُلک پاکستان برآمد ہو کر صفحۂ ہستی پر اُبھر آیا۔ اس اعتبار سے پاکستان اُمتِ مُسلمہ کے اُس جذبۂ تشخص کا رہینِ منت ہے جو کعبۃ اللہ کے مرکزِ عقیدت سے برق بن کر اُبھرتا ہے اور مُسلمانوں کے کردار و عمل میں نئی سے نئی توانائیاں بھر دیتا ہے۔

مولانا ظفر علی خانؒ نے اپنے بعض اشعار میں دُنیا کی مساجد کو "کعبۃ اللہ کی بیٹیاں" کہا ہے۔ اس شاعرانہ تصور کی مزید جولانی کے تحت یہ کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان "کعبۃ اللہ کا بیٹا" ہے۔ اگر صفحۂ ہستی پر کعبۃ اللہ نہ ہوتا تو صفحۂ ہستی پر پاکستان بھی نہ ہوتا۔ مسجدوں کے اندر تو اہلِ ایمان، خدا کے حضور پانچ وقت سر جھکاتے ہیں جبکہ پاکستان کی تشکیل کے موقع پر اہلِ ایمان نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اس سرزمین میں پانچ ہی وقت نہیں بلکہ شب و روز کے ہر لمحے کے دوران میں اپنا سرِ نیاز خدا کے حضور خم کیے رکھیں گے اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر معاملہ اور ہر مرحلہ طے کرتے وقت اللہ ہی کی رضا ڈھونڈیں گے، اور اسی کے احکام کو پیشِ نظر رکھیں گے، اس لحاظ سے مملکتِ پاکستان گویا لاکھوں میل کے رقبے پر محیط ایک ایسی مسجد ہو گی، جس میں شب و روز بلکہ ماہ و سال کے ہر ہر لمحے نماز ادا کی جائے گی، اس کے سرحدی خطوط گویا ایک مسجد کی چار دیواری اور اس کا حدود اربعہ گویا ایک مسجد کا حدود اربعہ ہو گا۔

مملکتِ پاکستان کہلانے والی یہ مسجد مجھے یہاں حرم کعبہ میں نظر آرہی ہے ــــ کعبۃ اللہ کے منور سایوں میں، بے مثال تقدیس کی مہک سے لبریز اس کی فضاؤں میں، یہاں طواف کرنے والوں کی دھیمی دھیمی پُرسوز دعاؤں میں، ترتیل کے ساتھ تلاوت کرنے والوں کی مدھم مدھم آوازوں سے معمور یہاں کی سُریلی ہواؤں میں ــــ مملکتِ پاکستان مجھے اس طرح لپٹی ہوئی نظر آرہی ہے، جیسے یہ حرم ہی کا ایک حصہ ہو، جیسے خطۂ پاکستان، کعبۃ اللہ کی سرزمینِ حجاز ہی کا ایک ٹکڑا تھا۔ اور قارئین! سرزمینِ حجاز سے اسی نسبت و جودیت کے تصدق اس وقت مجھے اپنے پیارے وطن پاکستان پر کچھ زیادہ ہی پیار آرہا ہے اور میں بھیگی بھیگی آنکھوں سے صحنِ حرم میں یہ دُعا کر رہا ہوں کہ میرے اس احساس کو، کاش میرے اہلِ وطن میں کوئی بانٹ دے، عام کر دے اور اس طرح میرے سب اہلِ وطن کو بھی پاکستان پر اسی شدت سے پیار آجائے۔

قارئین! علامہ اقبالؒ نے ایک نظم "نوجوان مُسلم سے خطاب" کے عنوان سے لکھی تھی جس میں اُنھوں نے مُسلمان نوجوانوں کو، اُن کے اسلام سے وابستگی کے شرف کا احساس دلایا تھا اور پھر اس احساس کی شائستگی سے اُن کے کردار و عمل کو سنوارنے کی کوشش کی تھی۔ اسلامی ملکوں کی قدیم برادری میں پاکستان اپنی عمر کے لحاظ سے نوجوان واقع ہوا ہے ــــ نوجوان مُسلم مُلک! جی چاہتا ہے کہ علامہ اقبالؒ کی اس نظم کا پہلا شعر ذرا تصرف کے ساتھ، پاکستان کی نذر کروں، شعر ہے۔ ؎

کبھی اے "مُلکِ پاکستان" تدبر بھی کیا تُو نے
وہ کیا گردوں ہے تُو جس کا ہے اک ٹُوٹا ہوا تارا

●● [بشکریہ اردو ڈائجسٹ اگست ۱۹۸۹ء]

# قیامِ پاکستان کا مُطالبہ۔ کیا غلط تھا؟

تقسیم ہند سے پہلے یہاں ایسے عناصر تھے جو مسلمانوں کے لئے الگ وطن کے حصول کے مخالف تھے۔ انہوں نے انڈین نیشنل کانگریس اور ماؤنٹ بیٹن کی معاونت سے عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ان کی کانگریس حکومت ان کے صوبے کی ہندوستان میں شمولیت کی بھرپور کوشش کرے گی مگر اپریل ۱۹۴۷ء کے اوائل میں ماؤنٹ بیٹن نے جب سرحد کا دورہ کیا "پاکستان بن کے رہے گا" کے نعروں سے اس کی آنکھیں کھل گئیں حالانکہ وہ سرحد کو شامل کرنے کے لئے صوبہ سرحد میں اس بات پر ریفرنڈم کرانے پر تیار ہو گیا تھا کہ آیا یہ صوبہ پاکستان میں شامل ہو گا یا ہندوستان میں۔

اب جبکہ ملک کو تقسیم ہوئے ۴۳ سال کا عرصہ ہو گیا ہے ان عناصر نے ابھی تک یہ بات اور یہ پراپیگنڈا کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا کہ اس علاقے کے لوگ پاکستان کے سبب دشواری محسوس کرتے ہیں۔ چونکہ ہمارے ملک کا ماحول کھلا ہے اور تحریر و تقریر کی مکمل آزادی دی جا چکی ہے اس لئے یہ لوگ چاروں صوبوں سے لے کر آج تک پاکستان کے خلاف تقریروں اور نعروں میں مصروف ہیں اور پختونوں اور پٹھانوں کو پاکستان کا مظلوم ترین طبقہ قرار دے رہے ہیں شاید وہ اس بات کو بھول چکے ہیں کہ ان کے صوبے کو ایک عرصے سے انتظامی اور ترقیاتی پروگرام کے لئے منصفانہ امداد دی جا رہی ہے جو دوسرے صوبوں کے حصے سے بھی زیادہ ہے۔ بلوچستان میں بھی ایسے عناصر ہیں جنہوں نے وہاں عوام کو یہ خیالات سمجھائے تھے کہ وہ ہندوستان کے ساتھ شامل ہونا چاہتے ہیں ان عناصر کے حامی پنجاب میں بھی موجود ہیں جو پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا کرنے میں مصروف عمل ہیں۔ سندھ میں بھی ایک ایسی ہی قوت آج کل برسرِ کار ہے جو پنجاب کی "دھاندلیوں" کے خلاف سرحد، بلوچستان اور سندھ کی یونین قائم کرنے میں مصروف ہے۔ اس صورت حال کا ایک دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ان خیالات کو حال ہی میں شائع بھی کیا گیا ہے جن میں پاکستان کی ضرورت کے متعلق شکوک و شبہات کا اظہار کیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "پاکستان کے متعلق خیال تو یہ ہے کہ یہ اپنے ہاں رہنے والے مسلمانوں کے مفاد کا تحفظ کرے گا اسی لئے یہ وجود میں آیا چنانچہ مسلمانوں کے دو بڑے مرکز پنجاب اور بنگال دو لخت ہو گئے۔ ان دونوں صوبوں میں جو بیسویں صدی میں مکمل حق خود اختیاری کے حامل تھے آزادی کے حصول میں بھی آزادی لے گئے پنجاب اور بنگال کی تقسیم نے مسلمانوں کو غیر منقسم صوبوں والے حقوق سے محروم کر دیا۔ مسلمان پنجاب کے مشرقی زرخیز اضلاع سے محروم ہو گیا جبکہ ان کو وہ بھی محروم ہو گیا جو پنجاب کے تین چوتھائی حصے حاصل ہو رہے تھے۔ اسی طرح مسلم بنگال تھا جو اس کا اقتصادی مرکز تھا جو مغربی بنگال سے بھی محروم ہو گیا اس طرح مشرقی بنگال سمٹ کر صرف ایک کسان آبادی کا علاقہ ہی رہ گیا جس کا نہ تو دفاع کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی وہ مسلم ریاست میں برابر کا حصہ دار بننے کے قابل تھا۔ [illegible] (۱۹۸۵ء)

ایسا امر بھی زندہ رکھا گیا شروع سے لے کر آخر تک مسٹر جناح اس لئے کامیاب نہ ہو سکے اور مسلم لیگیوں کو اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے کے لئے چھوڑ دیا۔

(ایضاً)

واضح رہے اس امر کی نشاندہی کر لی جائے کہ سب سے پہلے پاکستانیوں کی سب سے اہم [illegible] انڈین نیشنل کانگریس اور اس وقت کے ہندوستان کے وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کے مذموم ارادوں کی بھی [illegible] پاکستان [illegible] مسلمان ایک خطاب مسلسل میں

[illegible] ہو جائے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں ایسی دستاویزات دستیاب ہو گئی ہیں جن میں انتقال اقتدار اور انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ ماؤنٹ بیٹن کی ملاقاتوں کی تفصیل بھی موجود ہے۔ جون ۱۹۴۷ء میں ہونے والے واقعات کی دستاویزی حکومتی تفاصیل درج ہیں۔ اس کے علاوہ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں جو کچھ ہوا یعنی انڈین نیشنل کانگریس کی وزارت سازی وغیرہ سب حقائق سے پردہ اٹھاتا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ قائداعظم نے اپنے سیاسی کردار کا پاکستان کے مطالبے سے آغاز نہیں کیا تھا۔ قائداعظم علامہ اقبال کی طرح قوم پرست بھی کہلاتے تھے وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو ان کے حقوق دیئے جائیں اور وہ ہندوؤں کے ساتھ [illegible] ہونے کے باوجود ہندو اکثریت کی حکومت کے ہی خواہاں تھے۔

ایک دور میں آل انڈیا کانگریس کا اجلاس گاندھی کی صدارت میں ہو رہا تھا جس میں قائداعظم اس نتیجے پر پہنچے کہ کانگریس میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے کیونکہ اس پر گاندھی کی آمرانہ پالیسیاں حاوی ہیں چنانچہ انہوں نے کانگریس سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں بھی اقلیتی صوبوں میں جب مسلم لیگ نے اپنی مقبولیت کا کھلا کھلا ثبوت دے دیا تو کانگریس نے اس کو نظر انداز کر دیا اور اگر اس الزام پر کچھ مسلمانوں کو وزارت میں لیا بھی گیا تو بھی ان کی حیثیت کانگریس کے شو بوائز کے علاوہ کچھ نہ تھی۔ اس صورت حال کو دیکھ کر مسلمان یہ یقین ہو چکے تھے کہ ان کو کچھ مقام دل سکے گا اور نہ کانگریس کی

**ترجمہ: بشیر محمود**

طرف سے کسی اچھے سلوک کی توقع ہے۔ اسی دوران مسلم لیگ سارے ہندوستان میں مسلمانوں کی نمائندہ جماعت بن چکی تھی اور مسلمانوں میں بے حد مقبولیت بھی حاصل کر رہی تھی اس کے باوجود کانگریس مصر تھی کہ انگریز اس کے حق میں ہی انتقال اقتدار کریں کیونکہ وہی سارے ہندوستان کی نمائندہ جماعت ہے وہ انگریزوں کو بھی یقین دلا رہی تھی کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھے گی۔

اس صورت حال سے لارڈ ویول بھی مایوس ہو گیا تھا اس نے اس صورت حال کو مایوس کن قرار دیا۔ مسلمان اب بھی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ اگر ان کی قسمت کا فیصلہ انگریزوں نے ہندوؤں کے ہاتھوں میں دے دیا تو ان کا کیا کرنا ہو گا۔

ماؤنٹ بیٹن ہندوستان میں اپنی تقرری سے قبل ہی نہرو کا مداح تھا جنگ عظیم کے بعد نہرو سے اس کی ملاقات سنگاپور میں ہوئی تھی۔ ماؤنٹ بیٹن نے اس وقت کہہ دیا تھا کہ نہرو ایک وقت ہند کا وزیراعظم بن جائے گا۔ حقیقت یہ ہے ہندوستان میں ماؤنٹ بیٹن کا تقرر بھی نہرو کی وجہ سے ہی تھا۔ وہ کہتا تھا کہ نہرو ہی ہے جو برطانیہ کے مفادات کا خیال رکھنے کے قابل ہے۔ ماؤنٹ بیٹن گاندھی کا بھی بڑا مداح تھا وائسرائے بنتے ہی اس نے گاندھی کو اسپیشل طیارے کے ذریعے دہلی بلوایا تھا اس نے اس کا بڑا اعزاز کیا اور اس کے ساتھ اس کے مذاکرات کامیاب بھی رہے گاندھی کی موت پر ایک پیغام میں اس نے اسے مسیح اور مہاتما بدھ کے برابر ٹھہرایا۔ چرچل کے ساتھ گفتگو کے دوران ایک مرتبہ ماؤنٹ بیٹن نے یہاں تک کہا کہ پاکستان صرف چند سال تک قائم رہ سکے گا اور پھر کانگریس کی جھولی میں آ گرے گا۔ اس کے علاوہ ماؤنٹ بیٹن مسٹر جناح کو شیشے میں اتارنے میں کامیاب نہ ہو سکا وہ کہا کرتا تھا کہ جناح ایک مشکل آدمی ہے۔ وہ کبھی نہیں جھکتا نہ ہی اپنی انا کو دل میں کوئی لچک پیدا کرتا ہے چنانچہ قائداعظم کو کئی برے ناموں سے بھی پکارا جاتا رہا۔ اپریل ۱۹۴۷ء میں قائداعظم اور ماؤنٹ بیٹن میں چھ ملاقاتیں ہوئیں۔ ماؤنٹ بیٹن کے مطابق اس نے مسٹر جناح کو تقسیم ہند کے جانے پر بہت آمادہ کیا مگر سب بے سود رہا۔ گاندھی کا کہنا تھا کہ جناح کبھی بھی پاکستان حاصل نہ کر سکے گا انگریز بھی کانگریس کے ہوتے ہوئے ایسا کرنے کی ہمت نہ پائیں گے۔

ہندوستان کے اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے برطانوی کیبنٹ کمیٹی نے تین آزاد گروپوں کی تشکیل کی تجویز پیش کی۔ دو گروپ مسلم اکثریتی شمال مغربی اور مشرقی حصے سے اور ایک گروپ ہندو اکثریت کے بقیہ صوبوں سے۔ ان کی لیڈرشپ بنائی جائے دفاع، امور خارجہ اور رسل و رسائل مشترکہ ہوں۔ قائداعظم کی پہلے سے ہی کوشش تھی کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا تحفظ ہونا چاہئے خواہ وہ ہندوستان کے اندر ہی کیوں نہ رہنا پڑے۔ چنانچہ شروع میں مسلم لیگ نے اس پر صاد بھی کر دیا۔ اس کے باوجود ہندوؤں کو سارے ہندوستان پر حکومت کرنے کا خواب ادھورا دکھائی دے رہا تھا۔ چنانچہ کانگریس نے اس پلان میں نقص نکالنے شروع کر دیے۔ یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ قانون ساز اسمبلی کی یونین پاور کمیٹی کی رپورٹ جو ۲۸ اپریل ۱۹۴۷ء کو اسمبلی میں پیش کی گئی وہ کیبنٹ مشن کی سفارشات سے بالکل الٹ تھی۔ کیبنٹ مشن سکیم کانگریس کے مقاصد کے منافی تھی کیونکہ اس میں شمال مغرب میں مسلمانوں کا اکثریتی صوبہ اور مشرق میں بھی اکثریتی صوبہ بنتا تھا۔ اس کے باوجود کانگریس کے پاس کمزور مرکز رہ جاتا تھا جس میں مسلم لیگ بھی شامل ہوتی تھی کانگریس ایسا کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔

۸ مارچ ۱۹۴۷ء کو کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے ایک ریزولیشن پاس کیا جس میں پنجاب کی تقسیم کی مانگ کی گئی تھی جس میں بنگال کی تقسیم بھی شامل تھی۔ قائداعظم کا شروع سے ہی یہ موقف تھا کہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم نہیں ہونی چاہئے۔ کانگریس نے ماؤنٹ بیٹن پر دباؤ ڈالا اسے امید تھی کہ اگر ان شرائط کے مطابق مسٹر جناح تقسیم بنگال و پنجاب پر آمادہ ہو گئے تو کانگریس اپنے مضبوط مرکز کے مقصد میں کامیاب ہو جائے گی۔ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر ہندوستان میں مسلم لیگ کو جلد یا بدیر ختم کر دیا جائے گا۔ ۲۲ جون ۱۹۴۷ء کو ماؤنٹ بیٹن نے کانگریس اور مسلم لیگ کے لیڈروں سے ملاقات کی اور دوسرے دن تقسیم کی تجویز کا اعلان کرنے کے متعلق بتایا کانگریس تو پہلے سے آمادہ تھی مگر قائداعظم نے اپنے رفقا کے مشورے کے لئے ایک ہفتے کی مہلت مانگی مگر ماؤنٹ بیٹن تو فیصلہ کر چکا تھا اس لئے اس نے مہلت دینے سے انکار کر دیا۔ اب چونکہ کانگریس تقسیم پر آمادہ ہو چکی تھی مسلم لیگ نے بھی مجبوراً

**ہمیں ڈگریوں کی نہیں روزگار کی ضرورت ہے**

**قوم کو سائنسدانوں اور ہنرمندوں کی ضرورت ہے**

تحریر: اظہر جاوید

اگر آپ ایک نظر موجودہ نصاب تعلیم پر ڈالیں تو سارا خاکہ آپ کے سامنے آجائے گا کہ وہ کون سی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے یہ ساری سوچیں جنم لے رہی ہیں جن سے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ ہوتا کیا ہے؟ دینیات کی ایک کتاب لگا دی گئی۔ اسلامیات کے لیے ایک استاد رکھ دیا گیا۔ خدا کا نام کتابوں کے صفحات میں کہیں کہیں درج ہونے لگا قرآن کی چند آیات حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات اور سیرت و تاریخ کے چند واقعات بھی طالب علم کے دماغ کے چھوٹے سے خانے میں داخل کیے جانے لگے بقول نعیم صدیقی یہ تو پیوند کاری ہے حالانکہ مسئلہ پورے مزاج کا ہے جس پر موجودہ نظامِ تعلیم مبنی ہے گویا نئے نظام تعلیم میں دینیات کے الگ کورس کی ضرورت نہیں بلکہ سارے کورس کو دینیات میں تبدیل کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن اس کے برعکس ہوتا کیا ہے؟ نونہالوں کی تربیت کے لیے جو بھی انتظام کیا جاتا ہے وہ دراصل ان کو اس ملت کی پیشوائی کے لیے نہیں بلکہ غارت گری کے لیے تیار کرتا ہے۔ درس گاہ میں فلسفہ سائنس، معاشیات، قانون، سیاسیات، تاریخ اور کئی ایک دیگر علوم پڑھائے جاتے ہیں۔ لیکن اسلام کے فلسفۂ اسلام کی اساسِ حکمت، اسلام کے اصول قانون اسلام کے نظریۂ سیاسیات اور اسلام کی تاریخ اور فلسفہ تاریخ کی ہوا تک نہیں لگنے دی جاتی اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے طالب علم کے ذہن کا پورا نقشہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ اپنے تمام جزئیات اور تمام پہلوؤں کے ساتھ بالکل غیر اسلامی خطوط پر چلتا ہے اس کی سوچیں بدل جاتی ہیں اس کی نگاہیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اسکول میں پہلا قدم

رطان

غیر اسلامی طرز پر دیکھنے لگتا ہے اس کی یہی سوچیں جڑ پکڑتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ گاؤن پہنے قطار میں کھڑا رہتا ہے تو اسے اپنی تعلیم کا مقصد صرف اور صرف مستقبل نظر آتا ہے۔ اور جب ڈگری اس کے ہاتھ میں پہنچتی ہے تو وہ پھاڑ دیتا ہے یا پھینک کر چلا جاتا ہے کہ ہمیں ڈگریوں کی نہیں روزگار کی ضرورت ہے۔ مجھے بتائیں اسے رازق کو نہ پہچاننے کی سوچ کس نے دی؟ انہیں بایزید بسطامیؒ کی زندگی کیوں نہیں پڑھائی گئی تاکہ وہ جان جاتے کہ جب وہ ایک اجنبی جگہ پر نماز ادا کرنے کے بعد بیٹھے تھے تو امام مسجد نے ان سے پوچھا کہ اے اجنبی تو کیا کرتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کچھ نہیں۔ تو امام مسجد نے پوچھا تو پھر کھاتا کہاں سے ہے۔ بایزید بسطامیؒ نے کہا میں نماز ادا کر لوں پھر بتاتا ہوں۔ امام نے کہا کہ نماز تو اب پڑھ چکے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا اس شخص کے پیچھے میری نماز نہیں ہوئی جو یہ نہیں جانتا کہ میرا رازق کون ہے؟

**آج کا طالب علم، فیس کی زیادتی، حصولِ تعلیم کی مشکلات اور اساتذہ کی لاپرواہی کا شکوہ کرتا ہے**

شاید یہ انسانی نفسیات ہے کہ وہ اپنے ہر کام کرتے وقت اس بات کو مقدم سمجھتا ہے کہ اس سے اسے کیا حاصل ہوگا۔ کسی بھی عمل سے پہلے وہ ان سوالوں کا جواب چاہتا ہے کہ اس عمل سے حاصل کیا ہوگا؟ میں اسے کیوں حاصل کرنا چاہتا ہوں؟ اور میں بہترین کیسے حاصل کر سکتا ہوں۔ اور کچھ یہی حال تعلیم حاصل کرنے والوں اور تعلیم دینے والوں کا ہے جب یہ میدان علم میں قدم رکھتے ہیں تو ان سوچوں کے ساتھ کہ تعلیمی مصروفیات کے نتیجہ میں ہمیں کیا ملے گا؟ ہم کیوں حاصل کرنا چاہتے ہیں اور کیسے بہترین حاصل کر سکتے ہیں؟ لیکن یہ مصروفیات بھی اسی وقت بچل آور ثابت ہو سکتی ہیں۔ جب ایک شخص صحیح نظریہ و فلسفہ تعلیم رکھتا ہو۔ معلم کو خبر ہونی چاہیئے کہ تعلیم کا مقصد کیا ہے؟ اگر تعلیم کا مقصد خاص قسم کے افراد پیدا کرنا ہے تو وہ خاص قسم کیا ہے؟ وہ کیا چیز ہے جو ایک قسم کے افراد کو دوسروں سے جدا کرتی ہے؟ اچھے اور برے لوگوں میں فرق کا معیار کیا ہے اور اچھے افراد کی وہ کونسی قسم یا کوالٹی ہے جو ایک معلم بہتر طور پر پیدا کر سکتا ہے ایسے لوگ کیسے پہچانے جا سکتے ہیں؟ ان کے علم و ہنر، عادات و ہیئت کی کوالٹی کیا ہے؟ ایسے لوگوں کو پیدا کرنے کے لیے معلم کو کیا قدم اٹھانا چاہیئے۔

جب کہ ہم جانتے ہیں کہ تعلیم انسانوں کو مختلف کرتی ہے ان سے جو کہ وہ بغیر تعلیم کے ہیں تو ہمیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ نظامِ تعلیم قوم در قوم مختلف کیوں ہوتا ہے؟ کیا یہ سارے نظامِ تعلیم برابر کی تعلیم دینے

والے ہیں اگر نہیں تو کیوں؟ کیا نظام تعلیم دوسروں سے بہتر کیوں ہیں اور ایک بہترین نظام تعلیم کس طرح بنا سکتے ہیں جسے ہم آئیڈیل کہہ سکیں؟ اور طریقہ تعلیم کی اہمیت کیا ہے؟ نصابی کتب، ٹیچر، کھیل اور دوسرے تعلیمی ماحول کا کیا قانون اور طریقہ ہونا چاہیے؟ تعلیمی مدارج کے مختلف حصوں میں کیا پڑھنا چاہیے اور کیوں؟ اور جو تعلیم اور نظام تجربے میں کیا رہ گئے ہیں؟ اگر تعلیم تجربات کا ثمر ہوتا ہے۔ یہ خبر ہونی چاہیے کہ کیا تعلیم اور کردار میں کوئی رشتہ ہے؟ انسانی فطرت کے کن سے قانون ہیں جو کردار کی نشوونما کو کنٹرول کرتے ہیں؟ ایک قوم کے افراد کا کردار دوسری قوم سے مختلف کیوں ہوتا ہے؟ ایک بہترین کردار کی نشانی کیا ہے؟ اور ایک معلم کیسے اپنے شاگردوں کو بہترین کردار کی طرف کھینچ سکتا ہے۔ اگر یہ سوال اور ان کے جواب معلم کے ذہن میں نہیں تو اس کی حیثیت اس قبل الذکر امام کی سی ہے جس کے پیچھے بایزید بسطامیؒ کی نماز نہیں ہوئی اور اس امام کے پیچھے طالب علم کی نماز نہیں ہوتی۔

آپ اپنے ان کس قسم کا انسان چاہتے ہیں؟ کیسے حکام؟ کیسے لیڈر؟ کیسے افراد؟ کیسے علماء؟ کیسے ڈاکٹر؟ کیسے انجینئر؟ کیسے جج؟ کیسے سپاہی؟۔ اور کیسے شہری؟ یہ سمجھیے کہ یہ نظام تعلیم کا نصب العین ہونی چاہیے۔ لیکن اس نصب العین کی کیسے خبر ہونی چاہیے اور کیسے فکر ہونی چاہیے۔ مجھے ماہرین تعلیم بتائیں کہ یہ چند الفاظ ان کی نظروں سے نہیں گزرے کہ

"The most serious weakness of modern education is the uncertainty about its aim" (Rousseau)

استاد اگر تعلیم کو نئے خطوط پر چلانے کے لیے خود ایک گہری اسپرٹ اور ایک آتش فشاں اپنے سینے میں نہیں رکھتا۔ اگر وہ نصاب کے اجمال کی تفصیل طلباء کو مہیا نہیں کر سکتا۔ اگر وہ مقصد کو پیش نظر رکھ کر خلا کو پر نہیں کر سکتا اور نصاب کی کوتاہیوں کی تلافی نہیں کر سکتا اور نصاب کی کوتاہیوں کی تہذیب کا نمائندہ ہی نہیں جس کے لیے نظام تعلیم کو حرکت میں لایا جا رہا ہے تو ایسے استاد کے ذریعے تبدیلی تعلیم کا مقصد ہاتھ نہیں آ سکتا چاہے اسے سیمسٹر سسٹم کا نام دے دیا جائے یا N-D-V-F کے ذریعے بیروزگاری کا مسئلہ حل کرنے کی کوشش کا نام دے دیا جائے یا کچھ اور۔ بلا کسی جذبۂ تنقید کے اور بلا کسی کا احترام کیے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے موجودہ اساتذہ کی ایک بڑی تعداد زندگی کے دوسرے میدانوں کی طرف پیش قدمی کرنے میں ناکام ہونے کے بعد بادلِ نخواستہ معلمی کو اختیار کرتی ہے اور ان کی نگاہ میں معلمی ایسا ہی ایک پیشہ ہے جیسے کسی جلد ساز، کسی بڑھئی، کسی کاتب یا کسی ڈرائیور کا پیشہ تو جبر ظاہر ہے جیسی روح ویسے فرشتے۔

سیمسٹر سسٹم کے تحت اساتذہ پر اور بھی ذمہ داریاں آپڑتی ہیں اور ضروری ہوتا ہے کہ استاد پر روحانی باپ غالب آجائے لیکن یہ احساس ابھی تک ایک نفسیاتی کھچاؤ کے زیر اثر ہے اور طلباء لاشعوری طور پر خود غرض ہوتے جا رہے ہیں۔ ذرا اور طلباء کے قریب ہو کر دیکھیں تو۔

شعر: ہے کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیرِ کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی

اور اس کے بعد بھی اگر اساتذہ کو شکایت ہو کہ طلباء ہماری بات نہیں مانتے اور ان راہوں پر جا رہے ہیں جن سے وہ منع کرتے ہیں تو خدارا ہمیں سوچنا چاہیے کہ ع

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں

آج طالب علموں کی زیادتی، حصول تعلیم کی خاطر اساتذہ کی لاپرواہی ایسے ہی بے شمار چیزوں کے شکوے کرتے ہیں یہ سب خرابیاں ہمارے نظام تعلیم کی پیداوار ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ میں تعلیم کو کبھی بھی ایک تجارتی شے نہیں سمجھا گیا۔ مسلمانوں کی تہذیب اس تصور سے ہی خالی ہے۔ تعلیم کا ہر شہری تک پہنچانا اسلامی ریاست کا فرض ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر ایک دفعہ ہم نے خلوص نیت سے اسلامی نظام تعلیم کی بنیادیں کھڑی کر دیں تو تعلیم حاصل کرنے والوں کے مسائل نہ رہیں گے تعلیم حاصل کرنے والوں کو غم روزگار نہ رہے گا اور تعلیم دینے والوں کو بہتر سہولتیں میسر ہوں گی۔ اور سب سے بڑھ کر ہمیں ایک مسلمان قوم کی حیثیت سے اپنے تشخص کی صحیح ضمانت مل جائے گی اور آخری بات کہ نظام تعلیم کن مقاصد کو حاصل ہونا چاہیے تو ہمیں اپنے لیے ایک خدا پرستانہ تہذیب کا درس دینے والا نظام تعلیم درکار ہے جو ایسے افراد تیار کرے جو دنیا بھر کے سامنے راستی، انصاف، احسان، عبودیت، حیا، امن اور انسانی فلاح و بہبود کے نقیب بن کر کھڑے ہوں۔ انسان کے قول و فعل اور ان کے تیار کردہ علوم انسان کے اجتماعی ادارات میں کوئی تضاد نہ ہو۔ آہستہ آہستہ ایک ایسی قوم تیار ہو جائے جو دنیا کے تمام اقوام سے اتنی مختلف ہو کہ اسے دیکھتے ہی ہر کوئی محسوس کرے کہ یہ جداگانہ قسم کے لوگ ہیں۔ انسان کے افکار و کردار کے روشن اور پاکیزہ راستے بہتر لوگوں سے جدا ہیں۔

**اگر اُستاد گہری اسپرٹ**
**نہیں رکھتا تو**
**ایسے اُستاد سے تعلیم**
**کا مقصد ہاتھ نہیں آسکتا**

## خونِ مسلم کی فریاد

**سعید احمد بھٹی**

شہر کی بے اماں گلیوں میں
خونِ مسلم دہائی دیتا ہے!
اتنا ارزاں تو میں نہیں تھا کبھی!

کیوں مجھے رائیگاں بہاتے ہو؟
میری عظمت کو کیوں گھٹاتے ہو؟
میری عظمت کے ہیں گواہ رسولؐ!
پھر میری قدر کیوں گھٹاتے ہو؟
کیوں مجھے رائیگاں بہاتے ہو؟
کیوں مجھے رائیگاں بہاتے ہو؟

# انکشافِ حقیقت

ہمارے ملک پاکستان میں فی الوقت صورتِ حال نہایت نازک ہونے کے ساتھ ساتھ بعض متعصب پرست انتہا پسند تعلیم یافتہ طبقہ لسانیت اور قومیت کو ہوا دے کر معاشرے کے اعلیٰ طبقہ میں انتشار پھیلانے کا نیا شوشہ چھوڑتا ہے پچھلے ۵ تا ۱۸ جون کے "احوال" پر صد افسوس کے ساتھ گزارش کرنی پڑتی ہے کہ جناب ڈاکٹر جاوید اختر صاحب نے کراچی میں غیر ملکیوں کی یلغار کے نام سے جو مضمون شائع کیا ہے جس میں جو بنگالیوں کو غیر ملکی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے وہ انتہائی قابلِ افسوس ہے ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۹۷۱ء تک بنگالیوں کی جو حب الوطنی اور پاکستان دوستی کا ثبوت ہے، شاید ہی دوسری قوم دے سکتی ہے؟ شیرِ بنگال اے۔ کے فضل حق سے لیکر جناب فضل القادر چوہدری تک جتنے وزیر و مشیر بنے ہیں۔ ان کی تاریخ اٹھا کر دیکھو؟ اور پنجاب، سندھ، بلوچستان، سرحد کے وزیروں اور مشیروں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے ۱۹۶۵ء میں محاذِ کشمیر پر جان دینے والے کون تھے؟ سینے پر بم باندھ کر ہندوستانی ٹینکوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر مسکراتے ہوئے جامِ شہادت نوش کرنے والے کون تھے؟ ہندوستانی جرنیلوں کا دعویٰ تھا کہ ہم ڈیڑھ گھنٹے کے اندر لاہور جا کر شراب پئیں گے بنگالی رجمنٹ نومی دستے نے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس سے چشم پوشی کی جا رہی ہے، حالانکہ وہ شہدائے پاکستان ہیں کوئی سپاہی کسی ملک کے نام پر اپنی جان دے تو اس ملک کی تاریخ میں اس سپاہی کا نام سنہری حروف سے لکھا جاتا ہے

مگر بدقسمتی سے ۱۴ اگست اور ۶ ستمبر کی تقریبات میں ان بنگالی شہدائے پاکستان کا کوئی ذکر نہیں تھا بڑے افسوس کی بات ہے کہ جن شہداء نے اپنے خون سے جس زمین کو سیراب کیا آج اس ملک کے رہنے والوں کو ان شہداء کا نام بھی گوارہ نہیں؟ پاکستان میں سندھ کالونی پنجاب کالونی سرحد اور بلوچ کالونی تو ہے، مگر مشرقی پاکستان تقریباً ۲۴ برس رہا ہے کوئی بنگالی کالونی نہیں بنی۔ آخر کیوں نہیں بنی؟ جب بھی بنگالی یہاں کے لئے محنت اور مزدوری کے علاوہ کچھ اور کام نہیں تھا، اب ۱۹۷۱ء میں ون یونٹ کس نے توڑا تھا؟ بنگالیوں نے یا کسی اور نے؟ اور بنگالیوں کو غدار کیا جانے

**تحریر: محمد ہاشم نورانی**

لگا۔ جبکہ مجیب الرحمٰن کو حکومت ملی ہی نہیں تو غدار کیسے؟ جبکہ مجیب الرحمٰن نے ستر فیصد ووٹ حاصل کئے تھے اس کو حکومت کیوں نہیں ملی! اچھا نہیں ملی تو نہیں ملی؟ "تم اُدھر ہم اِدھر" کہنے والا کون تھا؟ بنگالی تھا؟ رہی بات ۱۹۷۱ء کی جنگ کی جب پاک فوج مشرقی پاکستان پہنچی تو چاروں طرف ندیاں اور موسلا دھار بارش کی وجہ سے پاک فوج اپنے کیمپ سے باہر نہیں جاتی تھی اس وقت بنگالی پاکستان کے شیدائی خصوصاً مذہب پسند اور دینی مدارس کے طلباء اور علماء کی اکثریت نے پاکستان کی حمایت کی اور مکتی باہنی کی سرکوبی کے لئے چار پانچ ادارے قائم کئے جن میں رضاکار مجاہد، بڑی تعداد میں لڑکے اپنی تعلیم وغیرہ کو پس پشت ڈال کر پاکستان کی بقاء کی خاطر اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے جبکہ ان کے پاس ہتھیار بھی غیر تربیت یافتہ بمشکل رائفل چلا سکتے تھے اور کوئی خاص مہارت نہیں رکھتے تھے پھر بھی پاکستان کی بقاء کی خاطر انڈین آرمی کا مقابلہ کرتے تھے پاک فوج صرف کمان کرتے تھے اور جو بھی جا رہے تھے مکتی باہنی کا لقمۂ اجل بنتے تھے پاک فوج کے شہیدوں کی تعداد کے نسبتاً ان بنگالی رضاکار مجاہدین شہداء کی تعداد کم از کم دس گنا زیادہ ہے بدقسمتی سے مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ پاکستانی حکومت پاک فوج کے شہیدوں کا دن مناتے ہیں، ان بنگالی مجاہدین جنہوں نے پاکستان کو بچانے کے لئے جامِ شہادت نوش کیا ان کو بنگلہ دیشی حکومت ملک کا غدار کہتی ہے اور پاکستانی حکومت بنگالی کہہ کر نظر انداز کر دیتی۔ پاکستان کے تمام باضمیر مسلمانوں اور عالمِ اسلام کے فرزندانِ توحید سے اپیل ہے کہ ان بنگالی شہداء کے دن کون منائیں گے؟ کیا جذبہ حب الوطنی سے سرشار ہو کر جامِ شہادت نوش کرنے والوں کو اس طرح فراموش کر دینا کیا انسانیت کے خلاف نہیں ہے؟ اخلاق کے خلاف نہیں؟ مذہب کے خلاف نہیں؟ جو حکمران اپنے شہیدوں کو بھول جاتے ہیں کیا تاریخ ان کو معاف کرے گی؟ اب رہی بات ہمارے ہیں تبادلے کا، تبادلے میں ہزاروں بنگالی ایسے ہیں جنہوں نے بنگلہ دیش قبول نہیں کیا، اور پاکستان میں ہی رہے، جیسے کورنگی ناصر کالونی، ابراہیم حیدری، اورنگی ٹاؤن، موسیٰ کالونی، پاک مسلم کالونی، پی ایم ٹی کالونی نزد وزیر مینشن قابلِ ذکر ہیں ان لوگوں نے بنگلہ دیش کو

(باقی صفحہ ۳۵ پر)

> اس وقت مذہب پرست بنگالیوں، دینی مدارس کے طلبہ اور علماء کی اکثریت نے پاکستان کی حمایت کی تھی

کسی تحریک، تنظیم یا جماعت کے کارکنوں کی سوچ اس تحریک تنظیم یا جماعت کی اجتماعی فکر کی عکاس ہوتی ہے تحریکی ساتھیوں، کارکنوں یا ہمدردوں کا قول فعل کردار، گفتار ذہنی اور فکری تربیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

میں نہ تو کسی پر کیچڑ اچھالنا چاہتا ہوں اور نہ ہی طنز کرنا میرا مقصد ہے، دو واقعات جو پچھلے دنوں میرے ساتھ یا میرے سامنے گزرے وہ آپ کے سامنے پیش کر کے حتی الامکان غیر جانبداری سے ان کا تجزیہ آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اگرچہ انتہائی معمولی واقعات ہیں اور میرے خیال میں روزمرہ کے واقعات ہیں، لیکن ان واقعات نے میرے قومی اور ملی احساسات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

اگر آپ صدر سے کورنگی جانے والے بس اسٹاپ پر چلے جائیں تو یوں تو ہر وقت ہی ہڑبونگ کا منظر نظر آتا ہے لیکن بالخصوص شام میں ۸ بجے سے رات دس بجے کے دوران اگر نفسا نفسی کا منظر بنفس نفیس دیکھنا ہے تو ادھر آنکلیں۔ "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" "جس کی طاقت اس کی سیٹ"! مجھ جیسے ناتواں، بوڑھے اور شرفاء منظر کے صاف ہونے کا انتظار کرنے کے لئے ایک جانب کھڑے ہو جاتے ہیں اگر منظر صاف ہو جائے اور موقع مل جائے تو بس کے کسی کونے کھدرے میں اپنے وجود کو "گم" کر دیتے ہیں ورنہ اگلی بس کا انتظار...

اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ حکومت نے کورنگی، لانڈھی میں ٹرانسپورٹ کے مسئلہ کو محسوس کرتے ہوئے بڑی تعداد میں بسوں میں اضافہ کیا ہے لیکن کیا کیا جائے اس نوکر شاہی کا کہ حکومت کے

محمد سلیم قادری

کسی بھی اچھے اقدام کے اثرات کو عوام تک پہنچنے سے پہلے ہی روک لیتی ہے اور حکومت کے حصے میں پھر وہی "صلواتیں"۔ نہ جانے وہ کونسی مجبوریاں ہیں جو رش کے اوقات میں بسوں کو ڈپو میں کھڑا کرنے پر اکساتی ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ایسی صورت میں بعض لوگ اپنے سامان کے تھیلے اور دوسری اشیاء سیٹوں پر گرا کر گویا سیٹوں کو "ریزرو" کر دیتے ہیں یا بعض دفعہ لوگ اور بعض "بجلی ٹائپ" نوجوان اپنے مخصوص انداز سے بس میں اندر پہنچ کر اپنے دوسرے ساتھیوں کے لئے سیٹیں روک لیتے ہیں، اس عمل کو ہمدردی کہیں، وفا کہیں یا دوستی، تاہم "ڈسپلن" کے قطعی خلاف ہے اور "ڈسپلن" ہی کسی قوم کو عروج پر پہنچاتا ہے۔

> نام نہاد لیڈر قوم کو کوئی
> منفی فکر دیدے
> تو وہ خود چاہے اس فکر سے
> پیچھا چھڑا لے
> لیکن منچلے نوجوان اسے
> نہیں چھوڑتے

اب ہم اصل واقعہ کی طرف آتے ہیں۔ اس دن جب ہم اپنے اسٹاپ پر پہنچے تو اتفاق سے بس آ چکی تھی اور منظر بھی صاف تھا، دل بہت خوش ہوا کہ چلو! انتظار کی کوفت سے بچ گئے جیسے ہی ہم پائیدان پر قدم رکھا اندر سے "تو تکار" کی آوازنے ہمیں چونکا دیا، جب ہم اندر گئے تو جھگڑا وہی سیٹ کا تھا جو کہ اب ہمارے معمول کا جھگڑا بن گیا ہے۔

ہمیں اس جھگڑے سے کوئی سروکار نہ ہوتا کیونکہ دوسروں کے جھگڑے میں ٹانگ اڑانا ہمارا شیوہ نہیں) اگر ہم اس نوجوان کو دیکھ نہ لیتے جو دو سیٹوں پر براجمان تھا اور دو "ہیوی ویٹ" اس ایک سیٹ کے طلبگار تھے۔ اس بات کی بھی کوئی اہمیت نہ ہوتی لیکن ستم یہ ہوا کہ اس نوجوان نے ہمیں دیکھ لیا تھا اور ان سے ہماری یاد اللہ تھی۔ لہذا اب ہمیں بھی اپنا بھرم رکھنا تھا، چونکہ جھگڑے سے ہم خود خوف کھاتے ہیں اسلئے ہم نے معاملے کو رفع دفع کرانے کی کوشش کی لیکن صاحب دریا کی موجوں کے آگے تنکے کی کیا اہمیت اتنے میں نوجوان کے بھائی آگئے، شریف آدمی تھے، جھگڑا پسند نہیں کرتے تھے، اپنے بھائی کو لیکر نیچے چلے گئے، جاتے جاتے اس نوجوان نے ان لوگوں کو جو الفاظ کہے وہ میرے قومی احساسات کو جھنجھوڑ گئے "آ جاتے ہیں، باہر سے" گویا کراچی سے باہر کوئی دوسرا ملک ہے اور پھر میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ قوم کے

ہم بہادر لیڈر اگر اپنی قوم کو کوئی منفی فکر دے رہی تو وہ اور چاہے اس فکر سے پیچھا چھڑالیں لیکن قوم کو پہلے ہی منفی فکر کو نہیں چھوڑنے، یہ اور اس جیسے واقعات اس بات کے غماز ہیں کہ ایسی سوچ قومی یکجہتی کے خلاف ہے اور پاکستان کی سلامتی کے لئے ایک خطرہ ہے'

بات یہ ہے کہ ابتداء کوئی بھی تحریک عوام کی سیاسی تربیت کرتی ہے اور عوام جب اسکی ہمنوا بن جاتی ہے تو اب تحریک کو عوام کے موڈ کے مطابق چلنا پڑتا ہے اگر تحریک کا نظریہ مثبت ہے تو وہ چلتی رہتی ہے اگر نہیں تو پھر وہ تحریک ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوکر خود اپنی موت آپ مرجاتی ہے جو کل دھوتی اور نسوار کا نعرہ لگاتے تھے وہ آج ان سے مدد کی بھیک مانگ رہے ہیں لیکن یہ کارکنوں کی سوچ بدلنے کا اختیار نہیں رکھتے جو آج بھی پہلے نعرے پر قائم ہے۔

پاکستان سب کا ہے، پاکستان کے باشندے کی حیثیت سے کسی پر کہیں آنے جانے کی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی کسی کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی کے آنے جانے پر ٹوکے یہ ہم سب کا وطن
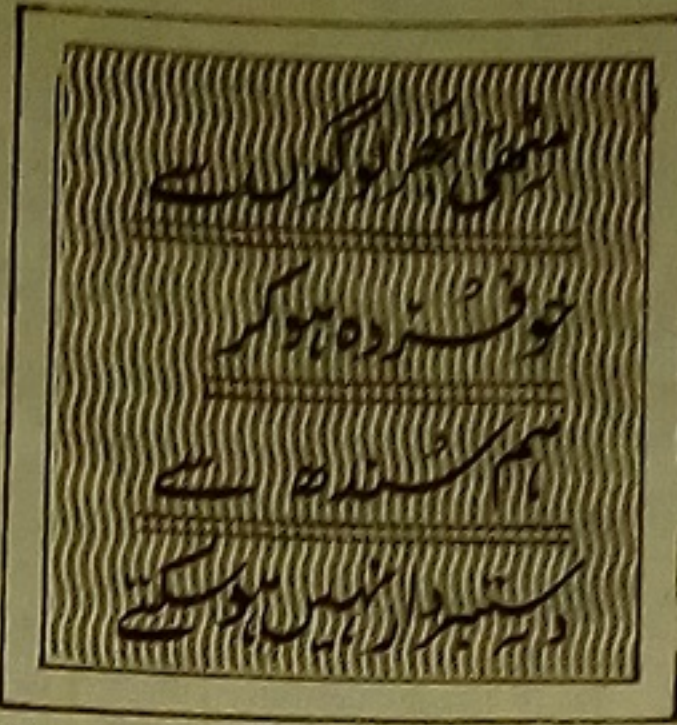
ہے ہم سب کی دھرتی ہے ہم سب اس پر رہنے کے حقدار ہیں سب ہی نے اس کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

دوسرا واقعہ اس واقعہ کی اہمیت کو مزید اجاگر کرتا ہے، پہلا واقعہ کے دو ہی دن بعد ایک ایسے ساتھی سے ملاقات ہوئی جو لکھاری بھی ہیں اور عارف شاہین مانک کے نام سے وقتاً فوقتاً آرٹیکل لکھتے ہیں، باتوں باتوں میں انہوں نے بتایا کہ وہ مستقل لاہور شفٹ ہوگئے ہیں، کسی کا ملک کے کسی بھی حصے میں شفٹ ہوجانا ایک معمولی بات ہے اور کوئی کہیں بھی کسی بھی وجہ سے رہائش اختیار کرسکتا ہے، لیکن جب ہم نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا تو ان کے جواب سے ہم چونک پڑے، انہوں نے کہا کہ اب ہم کراچی حیدرآباد بلکہ پورے سندھ سے دستبردار ہوگئے ہیں، ہم سوچ میں گم ہوگئے کہ دلوں کی کدورت اور ایک دوسرے کیخلاف نفرتوں نے ہمیں کس مقام پر پہنچا دیا ہے' اپنی جان کے تحفظ کی خاطر ان کا یہاں سے شفٹ ہونا تو بہرحال افسوسناک ہے لیکن ان کے اس مؤقف سے مجھے شدید اختلاف تھا کہ ہم سندھ سے دستبردار ہوگئے ہیں اگر یہ فکر پروان چڑھ گئی تو یہ علیحدگی پسندوں اور پاکستان کے وجود کی نفی کرنے والوں کے عزائم کی تکمیل ہوگی چند مٹھی بھر لوگوں کے ناپاک عزائم سے خوفزدہ ہوکر ہم پاکستان کے وجود سے تو دستبردار نہیں ہوسکتے، کیونکہ سندھ بھی پاکستان ہے، کیا مشرقی پاکستان کا بنگلہ دیش میں بدل جانا اسی سوچ اور فکر کا منطقی نتیجہ نہیں تھا خدارا منفی سوچ و فکر سے پیچھا چھڑا کر مثبت فکر کو اپنائیں اور پاکستان کو مزید نقصان پہنچنے سے بچائیں۔

### بقیہ: انکشاف حقیقت

قبول ہیں کیا پھر بھی انہیں غیر ملکی اور ملک کے غدار کا طعنہ دیا جارہا ہے ۷۱ء میں بنگلہ دیش کو ٹھکرا کر پاکستان کو اپنا وطن تسلیم کرنا غیر قانونی ہوگیا۔ اگر اس کو غیر قانونی کہا جائے تو قانون کس کا نام ہے؟ آج بنگالیوں کا ذکر تحقیری الفاظ میں کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر جاوید اختر صاحب کو دوسری شکایت غیر قانونی طور پر پاکستان میں آنے والوں سے ہے اور مذکور مجاہدین جو موت کے منہ سے بچ گئے تھے بنگلہ دیش ہوتے ہی ان کو اکثریت میں گرفتار کرکے جیل میں ڈال دیا گیا اور جو ان میں کمانڈر قسم کے تھے ان کو اسی وقت گولی مار کر شہید کردیا گیا، جو لوگ ۷۱ء کی جنگ میں رضاکار مجاہدین پاکستان کی وفاداری میں شہید ہوگئے ان شہداء کے بوڑھے والدین کی حالت زار پر کون رحم کھائے گا ان لوگوں کو بنگلہ دیشی حکومت کوئی سہولت نہیں دیتی حکومت سے اگر کوئی ایسے مدد مانگے تو کہا جاتا ہے کہ پاکستان سے مدد مانگو ذرا اندازہ کریں کہ اس وقت ان کے دل کی کیا کیفیت ہوگی؟ اگر وہ لوگ بنگلہ دیش میں پاسپورٹ وغیرہ بنوانے جائیں تو ان سے کہا جاتا ہے تم تو پاکستان کے دلال ہو، اب یہ بیچارے کہاں جائیں گے؟ چاروں طرف سے مایوس و دل برداشتہ ہوکر پاکستان کی راہ اختیار کرتے ہیں، جو پورے انڈیا کو پار کرکے آتے ہیں' ایسے ہزاروں واقعات ہوئے ہیں کہ پاکستان آتے وقت انڈیا کے راستے میں ہلاک ہوجاتے ہیں پھر بھی پاکستان کا نام نہیں بھولتے، جو مجاہدین جیل میں ہیں کسی طرح چھٹکارا ملتے ہی بھاگ کے پاکستان آجاتے ہیں، باضمیر مسلمانوں سے اپیل ہے کہ اگر ان لوگوں کو مکتی باہنی مار دیتے، ختم ہوجاتا، یا جیل میں پھانسی دیتے وہ بھی ختم ہوجاتا، مگر اللہ کی دی ہوئی حیات پورا کرنے کے لئے ہر مخلوق آزادی سے سانس لینا چاہتی ہے یہ رضاکار و مجاہدین پاکستان کو اپنا وطن سمجھ کر آئے ہیں، پھر دیکھو ان کی شرافت حکومت سے کسی قسم کا کوئی مطالبہ نہیں کرتے بلکہ اپنی محنت و مزدوری سے گذر اوقات کرتے ہیں، نہ کوئی پلاٹ مانگتے ہیں نہ کوئی حقوق، جھونپڑی میں غیر انسانی زندگی گذار کر بھی پاکستانی ہونے پر نازاں ہیں، اتنی محنت، مشقت کے بعد جب پاکستانی سرحد میں داخل ہوتے ہیں، انتظامیہ باڈر کراس کیس میں گرفتار کرکے جیل میں ڈال دیتی ہے، کیا ان کے مقدر میں صرف جیل ہی لکھی ہے؟ اور بالائے ستم دیکھو یہ مجاہدین جب اپنی محنت مزدوری پر جاتے ہیں کام کے اوپر سے پولیس پکڑ کر باڈر کراس کیس میں ملوث کرکے جیل بھیج دیتے ہیں، میں دعوے سے یہ بات باور کرادینا چاہتا ہوں کہ جتنے لوگ یعنی بنگالی پاکستانی آئے ہیں ان کے بیٹا یا بھائی' باپ یا قریبی رشتہ دار کوئی نہ کوئی ۱۹۷۱ء کی جنگ میں پاکستان کی بقاء کیلئے جام شہادت نوش کیا ہے یا آٹھ دس سال جیل کاٹی ہے یہ لوگ پاکستان کے لیے جان تو دے سکتے ہیں مگر پاکستان میں رہ نہیں سکتے، کیا یہی اچھا قانون ہے؟ کیا یہی درس اخوت ہے؟

## مجیب الرحمٰن کو ستر فیصد
## ووٹ ملنے کے باوجود
## حکومت کیوں نہ ملی؟

زیرِ نظر مضمون مولانا ابوالکلام آزاد کے ان تیس صفحات کی چوتھی قسط جو ان کی وصیت کے مطابق تیس سال بعد منظرِ عام پر آئے ہیں۔ مضمون کے مندرجات سے ادارہ "احوال" کا متفق ہونا ضروری نہیں

تحریر: ابوالکلام آزاد ترجمہ: داؤ توفیق احمد

شملہ کانفرنس کے ختم ہو جانے کے بعد میں نے پریس کے نمائندوں سے ملاقات کی اور ان کے سامنے ان مشکلات اور تجاویز کی وضاحت کی جو کانفرنس میں کانگریس کے سامنے آئیں۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ۱۵ ر جون کو رہا کیا گیا تھا اور ہمیں ایک بالکل نئی صورت حال سے دوچار کر دیا گیا مگر خدشات کے باوجود کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے شملہ کانفرنس میں شرکت کا فیصلہ کیا۔ ہمیں پتہ چلا کہ بین الاقوامی حالات میں زبردست تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اور انہوں نے ملکی حالات پر بھی اثر ڈالا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہندوستان کی آزادی کا سوال سرفہرست آ گیا اور ہندوستان کی آزادی کا مطلب دیگر ایشیائی ممالک کی آزادی تھا۔

میں نے پریس کو بتایا کہ وائسرائے سے ملاقاتوں کے دوران میں نے کانگریس کے قومی کردار پر زیادہ زور دیا ہے۔ میں نے وائسرائے پر یہ بھی واضح کر دیا کہ کانگریس ہر جائز طریقے سے موجودہ سیاسی ڈیڈلاک کو ختم کرنے کے لئے تعاون پر تیار ہے۔ ناموافق حالات کے باوجود کانگریس شرکت کے واسطے شملہ آئی ہے لیکن جو کوئی بھی فیصلہ ورکنگ کمیٹی کرے گی اس کی تائید اور توثیق آل انڈیا کانگریس کمیٹی سے ہونا ضروری ہے۔

میں نے پریس کو یہ بھی بتایا کہ جب ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں اقتدار کی منتقلی کا بنیادی مسئلہ طے پا جائیگا تو پھر کانفرنس نئی ایگزیکٹو کونسل کی وسعت اور اجزائے ترکیبی کے معاملہ پر غور کرے گی۔ اس کے بعد کانفرنس کا اجلاس برخاست ہو گیا تاکہ شرکاء غیر رسمی انفرادی گفتگو کے ذریعہ کسی سمجھوتہ پر پہنچ جائیں۔

تاہم باہمی گفت و شنید اور تبادلہ خیالات سے کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ اس غیر رسمی گفت و شنید میں مسٹر جناح نے یہ موقف اختیار کیا کہ نئی ایگزیکٹو کونسل میں مسلم نمائندوں کی نامزدگی صرف مسلم لیگ کرے گی۔ کانگریس کے لئے یہ بات تسلیم کرنا مشکل تھا کیونکہ یہ اس کے بنیادی قومی کردار کی نفی کرتا تھا۔ جہاں تک ہمارا تعلق تھا ہمارے لئے یہ صرف سیٹوں کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ ہمارے بنیادی اصول کو مجروح کرتا تھا۔ ہم مسلم لیگ کو حتی الامکان حد تک جگہ دینے کے لئے تیار تھے۔ مگر مسٹر جناح نے غیر مصالحانہ رویہ اپنا لیا۔

> ان صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت تھی مسلم لیگ کی وزارتیں نہیں تھیں۔ مثلاً صوبہ سرحد میں کانگریس اور پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کی وزارت تھی۔

وائسرائے نے مختلف گروپوں سے کہا کہ وہ اپنے نمائندوں کے ناموں کی لسٹ انہیں پیش کریں تاکہ وہ پارٹی لیڈروں کے مشورے سے ان میں سے ایگزیکٹو کونسل کے ارکان کا انتخاب کر سکے۔ مسٹر جناح نے ناموں کی لسٹ دینے سے انکار کر دیا۔ ۱۲ر جولائی کو وائسرائے نے ایک ملاقات میں مجھ سے کہا کہ انہوں نے مسلم نمائندوں کی ایک لسٹ تیار کی ہے تاکہ مسٹر جناح سے مسلم نمائندوں کے مسئلہ پر رضامندی حاصل کی جائے لیکن اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود وہ مسٹر جناح کی رضامندی حاصل نہیں کر سکے جناح اسی بات پر مصر رہے کہ مسلم نمائندوں کو صرف مسلم لیگ ہی نامزد کرے گی۔ لیکن وائسرائے اس بات پر تیار نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا اس نے محسوس کیا کہ اس تجویز پر عملدرآمد کرنا فی الحال کارآمد نہیں ہے۔

اس صورتحال سے دو نکات ابھر کر سامنے آئے۔ پہلا تو یہ کہ مسلم لیگ کا رویہ کانفرنس کی ناکامی کا سبب بنا۔ دوسرا نکتہ جو مسلم لیگ کے انکار کے سبب پیدا ہوا وہ یہ کہ اب لارڈ ویول کی صوابدید پر رہ گیا کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ اس معاملہ کو آگے بڑھائے یا نہیں۔ وائسرائے نے فیصلہ کیا فی الحال اس معاملہ کو آگے نہ بڑھایا جائے۔ اس سلسلے میں مجھے اس بات کا اعادہ کرنا ہوگا جو میں نے کانفرنس میں کہی تھی۔ وہ یہ کہ برطانوی حکومت

خود کو اقلیتوں کا مسئلہ حل کرنے سے بری الذمہ قرار نہیں دے سکتی۔ خواہ آج یا کل انہیں حق و انصاف کی بنیاد پر اس مسئلہ پر ایک سخت موقف اختیار کرنا ہوگا۔ ایسا کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور جب ایک فیصلہ کر لیا جائیگا تو پھر ہم آگے بڑھ سکتے ہیں۔ جو آگے جانے کے لئے تیار ہیں انہیں آگے بڑھنا چاہیئے جو ٹھہر جانا چاہتے ہیں انہیں وہیں چھوڑ دیا جائے۔ بغیر مصمم ارادے کے کچھ نہیں کیا جا سکتا پس و پیش اور ہچکچاہٹ کے ساتھ کچھ حاصل نہیں کیا جا سکتا اور نہ ترقی کی راہ پر آگے بڑھا جا سکتا ہے کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ہمیں غور و فکر کرنا چاہیئے۔ لیکن جب ہم کوئی فیصلہ کر لیں تو پھر ہچکچاہٹ کوئی رحمت نہیں رہتی بلکہ کمزوری کی یقینی علامت بن جاتی ہے۔

میں نے پریس کے نمائندوں کو بتایا کہ شملہ کانفرنس میں کانگریس نے جو موقف اختیار کیا اس پر مجھے کوئی افسوس نہیں ہم مسٹر جناح کی خواہشات کی تکمیل کے لئے بہت دور تک گئے لیکن ہم ان کا یہ دعویٰ تسلیم نہیں کرتے کہ مسلم لیگ تمام مسلمانان ہند کی واحد نمائندہ جماعت اور ترجمان ہے۔ ان صوبوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے مسلم لیگ کی وزارتیں نہیں ہیں مثلاً صوبہ سرحد میں کانگریس کی وزارت ہے پنجاب میں یونینسٹ پارٹی کی وزارت بنی ہوئی ہے۔ صوبہ سندھ میں سر غلام حسین کی وزارت کانگریس کی حمایت پر قائم ہے یہی صورتحال آسام میں ہے لہٰذا یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ مسلم لیگ تمام مسلمانوں کی ترجمانی کرتی ہے۔ درحقیقت مسلمانوں کا ایک وسیع حلقہ ایسا تھا جس کا مسلم لیگ سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔

دس سال کے عرصہ کے بعد جب میں ماضی کے واقعات پر نظر ڈالتا ہوں تو مسلم لیگ کے اس عجیب و غریب موقف پر متحیر ہوئے بغیر نہیں رہتا جو اس نے شملہ کانفرنس میں اختیار کیا تھا۔ ایگزیکیٹو کونسل کے چودہ اراکین میں سے پانچ کانگریس اور پانچ مسلم لیگ کو نامزد کرنے تھے۔ باقیماندہ چار ممبران کی نامزدگی وائسرائے نے خود کی ان چار میں سے ایک سکھ، دو شیڈول کاسٹ اور چوتھے پنجاب کے وزیر اعلیٰ خضر حیات خان تھے۔ اس طرح ایگزیکیٹو کونسل میں مسلم لیگ کے نمائندوں کے علاوہ دو اور نمائندے مسلمان نامزد ہو گئے ایک میں (ابوالکلام آزاد) کانگریس کی جانب سے دوسرے خضر حیات خان وائسرائے کے نامزد کردہ۔ مگر جناح نے اس پر سخت اعتراض کیا کہ یہ مسلمان نمائندے مسلم لیگ کے نامزد کردہ نہیں ہیں خضر حیات خان میرے پاس آئے میں نے انہیں یقین دلایا کہ کانگریس ان کی نامزدگی پر کوئی اعتراض نہیں کرے گی۔ اگر مسٹر جناح کی مخالفت کے سبب شملہ کانفرنس ناکام نہ ہوتی تو چودہ ممبران کی ایگزیکیٹو کونسل میں سات مسلمان ممبران ہوتے ایک میں (ابوالکلام) دوسرے خضر حیات خان اور پانچ مسلم لیگ کے نامزد کردہ مسلمان ممبران اس طرح مسلمانوں کو کونسل میں پچاس فیصد نمائندگی حاصل ہو جاتی جبکہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی صرف پچیس فیصد تھی۔ مسلم لیگ مسلمانان ہند کے مفادات کی محافظ سمجھی جاتی تھی لیکن اس کی مخالفت کی وجہ سے غیر منقسم ہندوستان کی حکومت میں مسلمان ایک بڑا حصہ حاصل کرنے سے محروم رہ گئے۔

(جاری ہے)

## بقیہ: صدر صدام حسین

نے اس پر حملہ کر دیا۔ اور پھر سعودی عرب اور عراق کے مابین جنگ چھڑ جائے گی اس کو اس بات سے تقویت بھی ہے کہ امریکہ کا ڈیفنس چیف سعودی عرب پہنچا ہے جہاں اس نے شاہ فہد کو یقین دہانی کرائی ہے کہ عراقی حملہ کی صورت میں امریکہ سعودیہ کا بھرپور ساتھ دے گا۔

ان تناظر میں یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچی ہے کہ امریکہ بہادر کو جمہوریت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ تو خلیجی ریاستوں میں اپنا اثر و رسوخ قائم رکھنا چاہتا تھا اور مالی منفعت حاصل کرنا چاہتا تھا۔ تیل کی دولت کو خود لوٹتا رہتا ہے اور اب جب یہ اس کے ہاتھ سے نکلتی نظر آ رہی ہے تو مسلم ممالک کو آپس میں گتھم گتھا کروانا چاہتا ہے دوسری بات جو تمام امت مسلمہ کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ "مسلم دشمنی" میں کس طرح نظریاتی اختلاف رکھنے والے دشمن ہم نوالہ اور ہم پیالہ ہو گئے۔ امریکہ۔ روس۔ فرانس۔ برطانیہ اور اس کے حلیف سب کے سب نے عراق کے خلاف تجارتی پابندیاں عائد کر دی ہیں اور اس کے تمام اثاثہ منجمد کر دیئے سعودی عرب کو چاہیئے کہ وہ امریکہ کی چالوں کو سمجھے اور اس کی چال میں آ کر عراق سے محاذ آرائی ترک کر دے۔ امریکہ کی خواہش ہے کہ عراق کو تباہ کر دیا جائے عراق سے اسرائیل کو زبردست خطرہ ہے۔ صدر صدام کی تلوار اسرائیل کے سر پر لٹک رہی ہے۔ امریکہ میں یہودی لابی [illegible] ہے ان کی چالیں یہی ہوں گی کہ عراق اور سعودیہ کا مڈبھیڑ کرا دیا جائے۔ اگر سعودیہ نے ایسی کوئی حرکت کی تو وہ عالم اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہوگا۔ یہودیوں کو صدر صدام کی قوت سے بڑا خطرہ ہے امت مسلمہ کو اس دن سب سے بڑی خوشی ہوگی جب عراق یہودیوں پر فوج کشی کریگا۔

## بقیہ :- گھر کا بھیدی

و کردار ارکان میں سے ہیں) کا ایک مضمون "مولانا مودودی اور مالی امور" کے عنوان سے شائع ہوا جس میں وہ ضابطے اور اصول درج ہیں جو مولانا مرحوم نے جماعت کے مالیاتی امور کے درست رہنے کے لیے بنائے تھے میں پورے اعتماد اور یقین اور خوف خدا کو پیش نظر رکھ کر کہتا ہوں کہ اب جماعت کے مالیاتی امور ان ضابطوں کو پامال کر کے طے ہوتے ہیں ان کے درج شدہ ضابطوں میں پہلا ضابطہ درج ہے جماعت کے نام پر جو بھی رقم وصول کی جائے خواہ کتنی ہی قلیل ہو اس کا اندراج ضرور کیا جائے، مقررہ رسید بک سے رسید اجراء کی جائے دینے والے کو پابند بنایا جائے کہ وہ رسید وصول کئے بغیر کوئی رقم نہ دے لینے والے کو پابند بنایا جائے کہ وہ رسید دیئے بغیر کوئی رقم وصول نہ کرے کوئی کام نہ زبانی ہو نہ اعتماد پر ہو بلکہ تحریری ہو"

میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ یہ اصول توڑا جا چکا ہے۔ بیرون ملک ہمدردوں سے جو امانتیں بڑی مقدار میں وصول ہوتی ہیں وہ سب اس اصول کو توڑ کر آتی ہیں اور یہی جماعت کے بجٹ کا بڑا حصہ پورا کرتی ہیں۔ ان رقوم کے نتیجہ میں جماعت کے مرکزی قیادت کے یہ لوگ اخلاق و کردار کے بحران میں گرفتار ہو چکے ہیں یہ رقوم غیر قانونی طریقہ سے مرکز میں پہنچتی ہیں جو صریح طور پر جرم ہے اور جرم سے متعدد قباحتیں جماعت میں پیدا ہو رہی ہیں۔

میں نے یہ تحریر آپ حضرات کو ارسال کرنے کا ناخوشگوار فریضہ مجبوراً، بادل نخواستہ اور صرف اتمام حجت کے لیے کیا ہے میری کوشش یہ ہے کہ میری یہ تحریر صرف تحریک سے متعلقین تک ہی بحفاظت پہنچ جائے ان شکایتوں کو پریس میں لانے کی نہ کوئی خواہش ہے اور نہ فی الحال اس کی ضرورت ہے بشرطیکہ آپ حضرات اس پر مثبت اور فوری توجہ دیں اور ان حضرات کو مجبور کریں کہ وہ راہ راست اختیار کریں اور خدا سے ڈریں۔ اگر اصلاح کی کوئی تدبیر نہیں نکالی گئی تو مستقبل میں ہونے والے ناخوشگوار اور تکلیف دہ واقعات کی ذمہ داری آپ سب پر فرداً فرداً عائد ہوگی آپ حضرات اللہ کے ہاں اس کا جواب سوچ لیں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ

آپ کا مخلص

خاکسار

حسین فاروق مودودی عفی عنہ

نقطۂ نظر

# آئینِ پاکستان اسلامی شریعت کے تابع ہے

مقبول احمد

گذشتہ دنوں پاکستان کے سب سے بالا منتخب ایوان یعنی سینیٹ میں شریعت بل کو متفقہ طور پر منظور کرلیا گیا۔ نفاذ اسلام کے سلسلے میں آجکل یہ مسئلہ پھر بڑی اہمیت حاصل کر گیا ہے۔ ملک میں اسلامی شریعت کے حامی لوگ کوشش کر رہے ہیں کہ قومی اسمبلی جلد اسے منظور کر دے لیکن چند وفاقی وزراء اس کی مخالفت کرنے کے بیانات جاری کر رہے ہیں۔

ہفت روزہ احوال کے قارئین کرام جانتے ہیں کہ پاکستان کو نفاذ اسلام کے لیے وجود میں آنے کا فخر حاصل ہے بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کی متعدد تقاریر اس امر کی واضح تائید کرتی ہیں۔ نیز ہمارے ملک کی ستانوے فیصد سے زائد آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اس لیے یہاں اسلامی قوانین، اقدار اور روایات کے نفاذ و اجراء کا مطالبہ ایک فطری تقاضا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں انگریز حکمرانوں کے ڈیڑھ سو سال کے عرصہ پر محیط اقتدار پر قابض رہنے کی بنا پر بعض لوگ یہاں غیر ملکی نظریات یعنی مغربی طرز جمہوریت اور سیکولر انداز فکر پر مبنی اصول ضابطوں کو دوام بخشنے کا پرچار کرتے ہیں۔ حالانکہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو غیر ملکی تسلط سے آزاد ہونے کے بعد ہم نے مختلف شعبۂ حیات میں جو ترقی کی ہے۔ عالی شان کوٹھیوں، خوبصورت مکانات کروڑوں روپے کی مالیتی ملوں، کارخانوں، فیکٹریوں، دکانات، زمین، اعلیٰ ملازمتوں، شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ، ناز نخروں، آسودہ حالی اور بے فکر زندگی کی جو پرکیف بہاریں، ہمیں میسر آئی ہیں۔ وہ غلامی میں رہنے سے ان آسائشوں کا حصول ممکن نہ ہوتا۔ جن حضرات کو اس دلیل سے اتفاق نہیں وہ بھارت، مقبوضہ کشمیر اور دیگر ممالک میں مسلمان اقلیتوں کی حالتِ زار سے موازنہ کر سکتے ہیں جبکہ اسلام اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ فراہم کرتا ہے۔

اہل پاکستان کی حرماں نصیبی یہ ہے کہ قیام پاکستان سے اب تک یہاں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ہر موقع پر نفاذ اسلام کی مخالفت میں اپنے وسائل اور صلاحیتیں بروئے کار لاتے ہیں لیکن یہ امر باعث مسرت ہے کہ ان حضرات کے منفی پروپیگنڈے کے باوجود اسلامی شریعت کی پیش رفت کے سلسلے میں یہاں گاہے گاہے ٹھوس اقدامات ہوتے رہے۔ ۱۹۴۹ء میں پاس ہونے والی قرارداد مقاصد، جنوری ۱۹۵۱ء میں مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے صف اول کے ۳۱ علماء دین کے کنونشن میں آئین پاکستان کی تدوین کے لیے ۲۲ نکات پر مشتمل رہنما اصولوں پر اتفاق ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۳ء کے دساتیر میں نفاذ اسلام کی قدر مشترک ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان، جمعہ کو چھٹی کرنا اور شراب نوشی پر پابندی عائد کرنے کے اقدامات سول اور فوجی حکومتوں کے دوران اقتدار ہوئے۔ وفاقی شرعی عدالت سپریم کورٹ میں شریعت بنچ کا قیام اور اسلامی نظریاتی کونسل کو فعال کرنے کے علاوہ حدود آرڈیننس کا اجراء جنرل ضیاء الحق کے دور میں ہوا۔

بعض لوگ معترض ہیں کہ وفاقی شرعی عدالت، سپریم کورٹ کے شرعی بنچ اور اسلامی نظریاتی کونسل کی موجودگی میں شریعت بل مذکور کی کیا ضرورت ہے؟ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ وفاقی شرعی عدالت ہمارے ملک میں رائج وفاقی اور صوبائی قوانین کو اسلام کے مطابق بنانے والا ایک ایسا ادارہ ہے جہاں کوئی شخص کسی قانون، دفعہ اور شق کو چیلنج کرکے انہیں غیر اسلامی قرار دینے کی درخواست کر سکتا ہے اگر عدالت ایسا تسلیم کرنے کا فیصلہ صادر کر دے تو وہ انہیں قانون کی کتب سے خارج کرنے یا صدر پاکستان یا متعلقہ گورنر صاحبان انہیں کسی مقررہ تاریخ تک اسلام کے مطابق تبدیل کرنے کا حکم جاری کر دیتی ہے سپریم کورٹ کا شرعی بنچ تو وفاقی شرعی عدالت کے فیصلوں کے خلاف اپیلیں کرنے کی عدالت ہے جہاں عام لوگ ساٹھ دن کے اندر اور وفاقی یا صوبائی حکومتیں عرصہ چھ ماہ کے اندر اپیلیں دائر کر سکتی ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل ایک مشاورتی ادارہ ہے اس کی چالیس رپورٹوں کو کافی عرصہ گزرنے کے باوجود قومی اسمبلی میں زیر بحث نہ لانے کا شکوہ صدر پاکستان جناب غلام اسحاق خان نے اپنی ۲ دسمبر ۱۹۸۹ء کی پارلیمنٹ سے مشترکہ اجلاس کی تقریر میں کیا تھا۔ ان رپورٹوں کو سرد خانے میں ڈالے رکھنے کا سلسلہ بدستور جاری ہے کیونکہ ہمارے ارکان پارلیمنٹ کو تو پلاٹوں کی الاٹمنٹ، بنکوں سے کروڑوں روپے کے قرض لینے مختلف پرمٹوں اور لائسنسوں کے حصول کے علاوہ اپنے عزیز و اقارب کو زیادہ آمدنی والی ملازمتیں دلانے سے فرصت نہیں ملتی۔

> **شریعت بل کی تشکیل کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ سود کو غیر اسلامی قرار دلانے کے لیے شرعی عدالت سے رجوع نہیں کیا جاسکتا تھا!**

شریعت بل کی تشکیل کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اب تک مالیاتی امور، انشورنس اور ٹیکس

کے قوانین کے علاوہ مسلم پرسنل لا اس کے دائرہ
اختیار سے باہر تھے۔ مثلاً سود کو غیر اسلامی قرار
دلانے کے لیے گزشتہ دس سال کے دوران وفاقی
شرعی عدالت سے رجوع نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر کسی
شخص نے اس امر کی درخواست دائر کی تو عدالت نے
اختیار نہ ہونے کی بنا پر ابتدائی سماعت کے بعد ہی خارج
کر دی گئی۔ نفاذ شریعت آرڈیننس جو ۱۹۸۸ء کو اسی
لیے نافذ ہوا لیکن بعد کی حکومتوں نے اس کی توثیق کے
قانونی تقاضے پورے نہ کئے لہٰذا وہ بھی کالعدم ہو گیا اور
نفاذ اسلام کا سلسلہ ان امور میں بدستور تشنہ رہا۔ یہ امر
قابل غور ہے کہ اب بھی آئین پاکستان کی بعض شقیں
اسلامی اصولوں کے منافی ہیں لیکن وہ وفاقی شرعی
عدالت یا کسی کورٹ کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں
حالانکہ اسلامی شریعت تو قانون الٰہی ہے اور آئین
پاکستان انسانوں کا بنایا ہوا حکومتی نظام چلانے کا
ضابطہ ہے۔ اس میں سات ترامیم سابق وزیر اعظم
ذوالفقار علی بھٹو کے دور اقتدار میں ہوئیں اور آٹھویں
ترمیم محمد خان جونیجو کی قومی اسمبلی نے کی۔ انسان کا بنایا
ہوا آئین وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق
ترامیم کی ضرورت کا محتاج رہے گا لیکن اللہ تعالیٰ
کے قانون یعنی اسلامی شریعت کے بنیادی اصول ابد تک
تبدیل نہیں ہو سکتے۔ وہ عوامی نمائندوں کے کسی ایوان
کی تائید و حمایت کے محتاج نہیں۔ کیونکہ اسلام دین ہے
جس کا اللہ اور اس کا رسولؐ حکم دیتے ہیں لیکن مغربی
طرز جمہوریت وہ ہے جو عوام کے منتخب نمائندوں کی اکثریت
کہتی ہے۔ اسلام کے اصول مستقل اور دائمی ہیں۔ کوئی بڑے
سے بڑا حکمران یا ادارہ ان میں ذرا بھی تبدیلی کرنے
کا مجاز نہیں۔ اس لیے نفاذ اسلام کے حامی سیاسی اور
مذہبی قائدین کو اسلام دشمن عناصر کی چالوں اور منفی
سرگرمیوں سے ہوشیار رہ کر عوام الناس کی صحیح
رہنمائی کرنی چاہیے۔ محض اعتراض برائے
اعتراض یا مخالفت برائے مخالفت کرنا تو کوئی تعمیری
کارکردگی نہیں۔ ہمارے انگریزی اخبارات میں تو
بعض شریعت بل کی مخالفت پر مبنی اداریے مضامین
بیانات کالم اور خطوط شائع ہو رہے ہیں۔

ایک صاحب نے شریعت بل پر بعض تکنیکی نکات اٹھا
کر کے اسے آئین پاکستان کے منافی قرار دیا ہے۔
کیا اسلامی شریعت کا نفاذ کرنے والا بل یا قانون
اتنا کمزور ہے کہ ایسے اعتراضات کر کے اسے قابل
عمل ہونے سے روک دیا جائے؟ بل مذکور میں
شریعت کی تعریف وہی ہے جو آئین ۱۹۷۳ء میں کی
گئی ہے جس کے مطابق تمام مکاتب فکر کے پیروکار
اپنے مسلکوں کے مطابق آزاد رہیں گے۔ اسلامی
قوانین کا ماخذ قرآن حکیم اور حدیث رسولؐ رہیں گے
وفاقی شرعی عدالت اور ہائیکورٹوں میں سپریم کورٹ کا
شرعی بنچ کئی اہم امور پر اپنے فیصلے صادر کر چکے ہیں۔

ان سب شقوں کے لوگ تسلیم و رضا کا اظہار
کرتے ہیں۔ شریعت بل کے پاس ہونے پر فرقہ پرستی
اور خواتین کے حقوق پر منفی اثرات مرتب ہونے
کا پروپیگنڈہ ایک سوچی سمجھی سازش ہے بلکہ اس
سے مذہبی ہم آہنگی میں بڑی مدد ملے گی۔ نیز
اقلیتوں کو مذہبی آزادی اور قانونی حقوق عام
شہریوں کی طرح حاصل رہیں گے۔

اب اگر کوئی اعتراض تکنیکی بنیاد پر درست
بھی ہو تو آئین کی متعلقہ شقوں کو اسلامی شریعت کے
مطابق ترمیم کر کے تبدیل کیا جائے چہ جائیکہ شریعت
بل کی منظوری میں ایسی رکاوٹیں ڈالی جائیں۔ ۱۹۷۳ء
کا آئین کہتا ہے کہ یہاں کوئی قانون اسلام کے منافی
نہیں بنے گا اب تو قرارداد مقاصد بھی آئین پاکستان
کا حصہ بن چکی ہے۔ پھر بھی لایعنی اعتراضات کرنے
کا سلسلہ جاری ہے۔ یاد رہے کہ سینیٹ میں منظور
ہونے سے قبل کئی نشستوں کی صدارت وفاقی
وزیر مذہبی امور جناب خان بہادر خان کر چکے ہیں
وفاقی شریعت کونسل بھی چند اجلاسوں میں حصہ لے
چکے ہیں۔ تمام مکاتب فکر کے نامور علمائے دین کو
ان میں شرکت کی دعوت دی جاتی رہی۔ ان میں بعض
حضرات تو شرکت کرتے رہے دیگر محض آج کل
اٹھائے جانے والے بے بنیاد اعتراضات سے بچنے
کے لیے ان اجلاسوں میں جانے سے گریز کرتے رہے
سوال یہ ہے کہ کیا شریعت بل کی مخالفت پر کمربستہ
حضرات فروعی اعتراضات کر کے یہاں نفاذ اسلام
کی راہ روک لیں گے؟ اس امر کا حلف تو صدر پاکستان
گورنر، وزیر اعظم، وفاقی اور صوبائی وزراء اپنے عہدے
سنبھالنے سے قبل آئین کی پاسداری کے لیے اٹھاتے
ہیں۔ موصوف معتقد خواتین و حضرات جانتے ہیں کہ
اسلامی شریعت کو آئین پاکستان پر بالادستی حاصل
ہے اس ضمن میں کسی طبقہ فکر یا حلقے کو کوئی شک و
شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ جب اسلام مکمل ضابطہ حیات
ہے تو آئین پاکستان کو اس سے باہر رکھنے کا عمل فرمان
الٰہی سے سراسر انحراف اور بغاوت کا آئینہ دار ہے
کوئی راسخ العقیدہ مسلمان ایسا سوچنے کی جرأت
نہیں کر سکتا۔

### بقیہ: اسلامی شریعت بل

بھی ان کی فقہ کے مطابق فیصلہ کریں گے۔

اس بل میں اس بات کو یقینی بنایا گیا ہے کہ
شریعت ہی پاکستان کا اعلیٰ ترین قانون متصور ہوگی
اب اس بات پر کس مسلمان کو اعتراض ہے بعض لوگوں
نے کہا کہ پارلیمنٹ جو عوام کے منتخب نمائندوں
سے بنتی ہے وہ مجبور محض ہو کر رہ جائے گی۔ اس کی
آزادی پر ضرب پڑے گی جبکہ خود پاکستان کے آئین
میں یہ بات درج ہے کہ پارلیمنٹ کوئی قانون قرآن
و سنت کے خلاف نہیں بنا سکتی اسلام میں جمہوریت
قرآن و سنت کے تابع ہے، پھر یہ بے معنی اعتراض
سمجھ میں نہیں آتا۔

اس بل میں عدالتوں کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ شریعت
کے مطابق فیصلے کریں اس کے لیے قاضیوں اور مفتی مقرر
کرنے کے طریقہ کار کو شامل کیا گیا ہے۔ عام ججوں کے
ساتھ اسلامی فقہ کے ماہرین مفتی اور قاضی کو بھی شامل
کیا گیا ہے تاکہ فیصلہ شریعت کے مطابق ہو سکے

اس بل میں تمام عمال حکومت پر شریعت کی پابندی
کو لازم قرار دیا گیا ہے، اس لئے بھی ضروری ہے کہ اگر
حاکم شریعت پر عمل نہیں کرے گا تو رعایا اس پر کیسے
عمل پیرا ہو گی۔

اس بل کے خلاف یہ بھی اعتراض اٹھایا گیا کہ
یہ بل آئین کے خلاف ہے اس لیے آئینی اور قانونی
طور پر اسے منظور نہیں کیا جا سکتا۔ سمجھ میں یہ بات
نہیں آتی کہ سینیٹ سے منظور ہونے کے بعد یہ خوف
کیوں۔ سینیٹ خود آئین کا ایک حصہ ہے۔ پارلیمنٹ
کا ایوان بالا ہے جب یہ مسودہ وہاں پیش ہوا تھا
وقت اعتراض کر کے عدالت عالیہ سے اس کے
خلاف فیصلہ لے لیا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ ج
کہ کیا سینیٹ کے لوگ اتنے لاعلم ہیں کہ انہیں اس
پتہ ہی نہیں اور سینیٹ کے چیئرمین وسیم سجاد صاح
قانون اور آئین سے ناواقف ہیں۔ ان تمام با
سے یہی ترشح ہوتا ہے کہ اعتراضات برائے اعتر
ہیں۔ معترضین صرف اسلامی شریعت سے فرار چا
ہیں اس لیے کہ پھر انہیں من مانی کرنے کی اجا
نہیں ہو گی۔ عادت بگڑی ہوئی ہے ۔ دم کے
درست ہو۔

# پاک سرزمین

سید عارف محمود مہجور رضوی

غنچوں کی جگہ ہے نہ یہ پھولوں کی زمیں ہے
یہ پاک وطن اب تو دھماکوں کی زمیں ہے

ہے چاروں طرف حشر بپا میرے وطن میں
چیخوں کا یہ مرکز ہے تو آہوں کی زمیں ہے

روتا ہے بڑھاپا تو سسکتی ہے جوانی
لگتا ہے جو سنتے تھے وہ خوابوں کی زمیں ہے

جلتے ہیں یہاں نورِ نظر، لختِ دل و جاں
یہ ارضِ چراغاں تو اندھیروں کی زمیں ہے

اٹھتی ہیں جو چیخیں تو پہنچتی ہیں فلک پر
یہ ڈوبے ہوئے خون میں اشکوں کی زمیں ہے

بے درد ہے اس خاک کا ہر ایک قداق
پھولوں کی نہیں سیج یہ کانٹوں کی زمیں ہے

بے رحم ہواؤں کا یہیں پر ہے بسیرا.
بے چین بھٹکتی ہوئی روحوں کی زمیں ہے

بکھرا ہے لہو کس کا یہاں کون مرا ہے؟
مغموم یہ بے نور ستاروں کی زمیں ہے

ہوتا ہے شب و روز نیا ایک تماشہ
نت نئے نویلے یہ تماشوں کی زمیں ہے

اب کوئی کسی پر بھی نہیں رحم ہے کھاتا
زندوں کا یہ مسکن ہے کہ مُردوں کی زمیں ہے

ہر سو نظر آتے ہیں یہاں کشتوں کے پشتے
محسوس یہ ہوتا ہے کہ لاشوں کی زمیں ہے

اب کوئی بھی محفوظ نہیں اس کی تپش سے
پھولوں کی زمیں بن گئی شعلوں کی زمیں ہے

خوشیوں سے کہو جا کے کہیں اور وہ ٹھہریں
اب اس ہمیں خوب شراروں کی زمیں ہے

لٹتے ہیں ہر اک روز یہاں اہلِ گلستاں
مامور بہاروں پہ خزاؤں کی زمیں ہے

ہر طرح سے آزاد یہاں پر ہیں لٹیرے
یہ پاک زمیں آج عذابوں کی زمیں ہے

الجھا ہوا ہر شخص کا کانٹوں سے ہے دامن
ویران مری آج نگاہوں کی زمیں ہے

جو زخم لگے اس کو بہر طور چھپاؤ
یہ چارہ گروں کی نہیں زخموں کی زمیں ہے

اب چادرِ عصمت بھی کوئی کیسے بچائے
تقدیس کے دامن میں گناہوں کی زمیں ہے

یہ روز برا بھی تو مقدر میں تھا اپنے
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کی زمیں ہے

آزاد وطن کیسے کہیں پاک وطن کو
غیروں کے تسلط میں جو اپنوں کی زمیں ہے

اے کاش کوئی اسکے بچاؤ کی بھی سوچے
دشمن کی نگاہوں میں بہاروں کی زمیں ہے

کس سمت چلے جاتے ہیں سب لوگ یہ آخر؟
کس جہت رواں آخر یہ راہوں کی زمیں ہے

کھلتے تھے کبھی پھول جہاں مہر و وفا کے
مہجور وہی آج جفاؤں کی زمیں ہے

## ○ کرپشن ان لمیٹڈ ○ کھر کے بدلتے ہوئے انداز

## ○ کیا پی پی کے اقتدار کا سورج ڈوبنے کو ہے؟

پیپلز پارٹی کی وفاقی حکومت کو ملکی اقتدار اور اندرونی خلفشار کے چیلنجوں کا بدستور سامنا ہے۔ عنقریب اقتدار کا سورج غروب ہونے کی ہر اطراف سے آواز سنائی دے رہی ہے مسٹر کھر کے حکومت کے بارے میں ریمارکس سے پیپلز پارٹی کی شدید کھچاؤ کا شکار ہے۔ مخدوم خلیق الزمان کے بعد غلام مصطفےٰ کھر کی حق گوئی نے ایوان اسلام آباد کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں دوسری جانب اسپیکر قومی اسمبلی ملک معراج خالد کے اخباری بیانات اور تقریری پند ونصائح سے وفاقی حکومت خاصی ڈسٹرب ہے۔ مسٹر کھر جو چند یوم قبل تک دبے لفظوں میں حکومت پر تنقید کر رہے تھے انہوں نے وزیراعظم ہاؤس کے دباؤ کو نظرانداز کرتے ہوئے یہاں پریس کانفرنس کر ڈالی۔ جس میں انہوں نے وفاقی حکومت کو کرپٹ اور نااہل قرار دیتے ہوئے کہا کہ وزراء ملک کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں مگر وزیراعظم کرپشن میں ملوث وزراء کو تحفظ دینے میں مصروف ہیں۔ لوٹ مار اور اقربا پروری کی تمام تر ذمہ داری وزیراعظم پر عائد ہوتی ہے۔ مسٹر کھر نے موجودہ حکومت کو رنگیلے شاہ کی حکومت قرار دیتے ہوئے کہا کہ اپوزیشن نے بعض وزراء کی لوٹ مار کے ثبوت بھی مہیا کر دیئے مگر حکومت ٹس سے مس نہیں ہو رہی ہے دریں اثناء پیپلز پارٹی نے کھر کے بدلتے ہوئے انداز اور ان کی بعض شخصیتوں سے ملاقاتوں کا سختی سے نوٹس لیا ہے مگر حکومت کھر کے بارے میں دوٹوک فیصلہ کرنے سے بھی گریزاں ہے۔

ورلڈ اسلامک کال سوسائٹی کے جنرل سیکرٹری ڈاکٹر محمد احمد شریف لیبیا کے سربراہ کرنل قذافی کے ایلچی کی حیثیت سے گزشتہ دنوں اسلام آباد تشریف لائے انہوں نے یہاں وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو سے ملاقات کر کے انہیں کرنل قذافی کا خصوصی پیغام بھی دیا اس سے قبل انہوں نے نئی دہلی میں بھارتی رہنما وی پی سنگھ سے بھی ملاقات کی۔ ڈاکٹر محمد احمد شریف نے یہاں ایک پریس کانفرنس سے بھی خطاب کیا، جس میں انہوں نے کہا کہ لیبیا پاک بھارت جنگ کے امکانات کو کم تر کرنے کا خواہاں ہے۔ موجودہ حالات میں امن اشد ضروری ہے خطہ افراتفری اور جنگ و جدل کا متحمل نہیں ہو سکتا، ہماری کوشش ہے کہ دونوں ملکوں میں کشمیر کے نام پر جنگ سے گریز کیا جائے۔

ڈاکٹر احمد شریف نے مسئلہ کشمیر کو اسلامی کانفرنس میں اٹھانے کے بارے میں لیبیا کے دوٹوک فیصلہ پر خاموشی اختیار کی اور کہا لیبیا کی پالیسی اس ضمن میں واضح ہے مسئلہ کشمیر کو اسلامی کانفرنس میں اٹھانے سے قبل یہ بات سوچ لینی چاہیئے کہ مسئلہ کو کس طرح بہتر انداز میں حل کیا جا سکتا ہے کیونکہ مسئلہ کشمیر کا حل اب آسان نہیں رہا انہوں نے باہمی تنازعات کو گفت وشنید سے طے کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ وی پی سنگھ مسئلہ کشمیر کے پُرامن حل پر آمادہ ہیں۔ مگر ہماری پہلی ترجیح پاک بھارت جنگ کو روکنا ہے جنگ سے مسائل حل نہیں ہوا کرتے ہیں مسئلہ کشمیر کا حل اقوام متحدہ کی قراردادوں میں تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک اخبار نویس کے سوال پر ڈاکٹر احمد شریف نے کشمیر اور فلسطین کے مسئلوں کا ذکر کرتے ہوئے انہیں مختلف قرار دیا اور کہا کہ فلسطین کے عوام کو ان کی سرزمین سے نکالا گیا اور وہ اس کے حصول کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں جبکہ کشمیر میں ایسا نہیں اس سرزمین پر آباد لوگ وہیں مقیم ہیں صرف زمین تقسیم ہوئی ہے لہٰذا کشمیر اور فلسطین کو ایک ہی زاویہ سے دیکھنا مناسب نہیں ہے ڈاکٹر احمد شریف نے کشمیریوں پر بھارتی مظالم کے بارے میں کوئی جواب نہ دیا۔

بعدازاں جمعیت علماء پاکستان کے سربراہ علامہ شاہ احمد نورانی نے مقامی ہوٹل میں ڈاکٹر محمد احمد شریف کے اعزاز میں ڈنر دیا، جس میں وفاقی وزراء محمد سعید اعوان خان بہادر خان، وفاقی اینٹی کرپشن کمیشن کے چیئرمین ملک محمد قاسم، سابق وفاقی وزیر مملکت اور رکن قومی اسمبلی ڈاکٹر شیر افگن نیازی، آزاد ریاست جموں وکشمیر کے صدارتی امیدوار بیرسٹر سلطان محمود چودھری، سپریم کورٹ کے جج نسیم حسن شاہ، افغان عبوری حکومت کے مشیر دفاع مولوی محمد سعید ہاشمی، ڈاکٹر نصیر اے شیخ، پروفیسر شاہ فرید الحق، جنرل ریٹائرڈ کے ایم اظہر، صاحبزادہ محمد اکرم شاہ، جنرل ریٹائرڈ حافظ ایم ایچ انصاری، رکن قومی اسمبلی، عصمت اللہ مستی خیل سید امیر شاہ کاظمی، سردار محمد خان لغاری، حاجی جاوید اقبال جے یو آئی کے آفتاب مغل کے علاوہ خواجہ غلام السید لیبیا کے سفیر سمیت دیگر سفارتکاروں نے شرکت کی۔

آصف زرداری متنازعہ شخصیت بن چکے ہیں

جے یو پی کے سربراہ علامہ شاہ احمد نورانی نے تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کرنل قذافی کو اسلام کا چیمپئن قرار دیتے ہوئے کہا کہ لیبیا اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے جو اقدامات کر رہا ہے وہ قابل تحسین ہیں اور اس سے اسلامی امہ کے بیشتر مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے۔ انہوں نے مسلم افریقہ کے اسلامی تشخص کو برقرار رکھنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ عیسائی مشنری کی افریقی ممالک میں سرگرمیاں باعث تشویش و اضطراب ہیں اور ان سے امت مسلمہ کو شدید دھچکا پہنچنے کی ضرورت ہے۔ لیبین رہنما ڈاکٹر محمد احمد شریف نے کہا ہے کہ مسلم امہ کو اپنے اختلافات بلاتاخیر ترک کر کے عالم اسلام کے مشترکہ مسائل پر توجہ دینی چاہیے عالمی طاقتوں کے توسیع پسندانہ عزائم اسلامی امہ کے لیے چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا اسلامی دنیا کا فرض ہے کہ وہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لیے متحد ہو کر اجتماعی کوششیں کریں۔ انہوں نے کشمیر، افغانستان، فلسطین اور فلپائن کے مسلمانوں کا قتل عام رکوانے کے لیے متحدہ کوششوں کی ضرورت پر بھی زور دیا۔

# بدعنوان بےنظیر حکومت

## بین الاقوامی اخبارات کی نظر میں

بین الاقوامی اخبارات کے تراشوں پر مبنی کرپشن ان لینڈ کے عنوان سے ایک کتابچہ راولپنڈی، اسلام آباد کے صحافیوں میں تقسیم کیا گیا۔ جس میں موجودہ حکومت کو بدعنوان ترین حکومت قرار دیا گیا نیویارک ٹائمز کے مطابق بے نظیر حکومت جو جیالے کے حادثے میں جنرل ضیاء الحق کے جاں بحق ہونے کے بعد (۱۹۸۸ء) کے نتیجے میں برسر اقتدار آئی تھی نے ابھی تک اپنے جمہوری اور سماجی تبدیلیوں کے وعدے پورے نہیں کیے۔ بے نظیر اور ان کی پیپلز پارٹی پر رشوت ستانی، بدعنوانی اور اقربا پروری کے الزامات عائد کیے جا رہے ہیں۔ خاندانی نام کی پوجا نے پر زور صرف کیا جاتا ہے، حکومتی تبدیلی کے بعد یہاں کچھ بھی تو تبدیل نہیں ہوا۔

نیوز ڈیک کے مطابق وزیراعظم کے شوہر آصف علی زرداری بھی ایک متنازعہ شخصیت بن چکے ہیں ملک میں غربت، ناخواندگی اور تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے اہم ترین مسائل کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔

پاکستانی عوام وزیراعظم کی پالیسیوں سے مایوس ہو چکے ہیں اور وزیراعظم کو ان الزامات نے بھی پریشانی میں ڈال رکھا ہے جن میں ان کے شوہر آصف علی زرداری اور سسر حاکم علی زرداری پر روپے پیسے کے لین دین کے الزامات لگائے جا رہے ہیں بے نظیر بھٹو کے برسر اقتدار آنے کے بعد ان کے خسر حاکم علی زرداری روپے پیسے اور سیاسی اعتبار سے بڑی شخصیت بن کر ابھرے ہیں۔ اخبار مزید لکھتا ہے کہ بے نظیر اپنے حامیوں کو ساتھ رکھنے کے لیے سیاسی سرپرستی کھلے عام کرتی ہیں۔ تحریک عدم اعتماد کے دوران جن لوگوں کو اسلام آباد میں پلاٹ الاٹ کیے گئے ان کی قیمت ایک لاکھ ساٹھ ہزار ڈالر فی پلاٹ ہے۔

گلف نیوز کا خیال ہے کہ بے نظیر بھٹو کی نحیف و نزار حکومت کے لیے جو نااہلی اور بدعنوانی کے الزامات سے دوچار ہے یہ معاملہ سنگین بحران کا سبب بن سکتا ہے اپوزیشن وزیراعظم کی حکومت کو ختم کرنے کی کوششوں میں زرداری بدعنوانیوں کے مسلسل الزامات لگا رہی ہے۔

لاس اینجلس ٹائمز کا کہنا ہے کہ بے نظیر بھٹو کی حکومت اندرونی بے بسی، مضبوط اپوزیشن اور بڑھتی ہوئی بدعنوانی میں گھری ہوئی ہے اور اس بدعنوانی میں وزیراعظم بے نظیر کے رشتہ دار بھی شامل ہیں بدعنوانی اپنے عروج کو پہنچ چکی ہے تشدد کے واقعات میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ وزیراعظم کے شوہر زرداری کو "مین پرسنٹ" کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اس کی وجہ معاملات میں ان کا اثر و رسوخ ہے۔ ٹائمز کے مطابق بے نظیر کو مغرب میں جو پذیرائی ملی تھی پاکستان میں اب معاملہ اس کے برعکس ہے کابینہ بدعنوانیوں میں ملوث ہے زرداری خاندان اثر و رسوخ سے ناجائز فائدہ اٹھا کر حکومتی شعبوں سے کمیشن وصول کر رہا ہے اور اخلاقی لحاظ سے یہ حکومت اپنا سب کچھ کھو چکی ہے اور اگر کوئی بات بے نظیر کے زوال کا سبب بنی تو اس کی وجہ بدعنوانی اور قوت فیصلہ کی کمی ہو گی۔

دی وال سٹریٹ جرنل کہتا ہے کہ بے نظیر بھٹو کا آبائی صوبہ سندھ لسانی تنازعہ کا شکار ہے۔ مہاجروں، پنجابیوں، پٹھانوں اور سندھیوں کے مابین فسادات کا گڑھ بنا ہوا ہے کوئی بھی لمحہ ایسا نہیں گزرتا جب صوبائی دارالحکومت کراچی کے کسی نہ کسی حصے میں کرفیو نافذ نہ رہا ہو۔ مضافاتی علاقے لسانی فسادات کی لپیٹ میں آ کر غیر محفوظ بنتے جا رہے ہیں فسادات کے باعث ۱۶۶ ملین ڈالر کے قریب خسارہ ہو چکا ہے مگر بے نظیر زیادہ وقت اور قوت مخالفین سے لڑائی میں صرف کر رہی ہیں۔ اور نواز شریف کے ساتھ جنگ میں الجھی ہوئی ہیں۔ فوجی انقلاب کا خطرہ بھی سر پر منڈلا رہا ہے اور ضیاء الحق مقبولیت کے اس معیار کو پہنچ رہے ہیں جو انہیں اپنی زندگی میں بھی نصیب نہ ہوا۔ ان کی قبر ایک خانقاہ کی حیثیت اختیار کر چکی ہے اور ان کی تصویر پنجاب اور سرحد کی سڑکوں پر اکثر نظر آتی ہے دوسری جانب بے نظیر بھٹو کی مشکلات بڑھ رہی ہیں اور سست رفتار

اقتصادی ترقی لسانی فسادات سے سندھ کی حالت اور ڈھیروں دوسرے سماجی مسائل کے سبب وقت بے نظیر کے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے اور شاید اس کے ساتھ پاکستان میں جمہوریت کا مستقبل بھی مخدوش ہو رہا ہے۔

دی ٹائمز لندن نے دعویٰ کیا ہے کہ بے نظیر بھٹو کی کابینہ میں وزراء اور وزرائے مملکت کی بھرمار ہے بے نظیر نے اقربا کے ساتھ سمجھوتہ کر رکھا ہے اور پیپلز پارٹی کے ترقی پسند خیالات کے باوجود اس پر جاگیرداروں، زمینداروں اور صنعت کاروں کا مکمل قبضہ ہے۔

اقبال فارانی

# کھر نے پیپلز پارٹی کے بحرِ منجمد میں اضطراب پیدا کر دیا

پیپلز پارٹی ایک بار پھر اپنے اندرون بحران کے عروج پر ہے اس بار یہ بحران پنجاب کے سیاسی سرکس کا شیر اور ملتان و مظفر گڑھ کے انتہائی "متلون مزاج" سیاست کار جناب غلام مصطفےٰ کھر کا لایا ہوا ہے وہ آئے تھے تو دوا بن کر، لیکن الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا۔

ویسے تو پیپلز پارٹی کا ہر کارکن اور جیالا گھڑی میں ماشہ گھڑی میں تولہ" کی منہ بولتی تصویر ہے۔ وہ ضیاء الحق کی باقیات میں سے ہوتے ہوئے بھی ضیاء کی باقیات کو مغلظات سنانے میں "ید طولیٰ" کا حامل ہوتا ہے اور پھر یہ ان ہی جیالوں کا "جگرا" ہے کہ وہ ہر قسم کی بدعنوانی کا ارتکاب کرنے کے باوصف پورے شور سے گلا پھاڑ کر بدعنوانیوں کی مذمت کرتے ہیں۔ ان میں سے اکثریت بلکہ یوں کہا جائے کہ ۹۵ فیصد اکثریت مارشل لاء کے دور میں کسی نہ کسی طرح ضیاء کے ہاتھ مضبوط کرتی رہی۔ اور آج پیپلز پارٹی کی طرف سے جب داد و دہش" کا بازار گرم ہوا ہے تو ہر جیالا اس کو لوٹ کھانے کو زندگی کا "مقصد وحید" جان کر اس طرح ٹوٹ پڑا ہے کہ ہر شخص دیکھ کر انگشت بدنداں حیران کھڑا ہے اور زبان حال سے پکارتا ہے۔ عوام نام کی لوٹ ہے لوٹ جائے سو لوٹ آخر کو پچھتائے گا جب سانس جائے گا ٹوٹ۔

ہمارے شیر پنجاب جناب غلام مصطفےٰ کھر بھی اسی لوٹ کھسوٹ کے تصور میں ہلکان ہو رہے تھے وہ جب سے پاکستان واپس آئے ان کی یہ بھرپور کوشش رہی کہ کسی طرح پیپلز پارٹی میں ان کو داخلہ مل جائے وہ اپنی جیل بھی اسی تصور میں کاٹتے تھے کہ کبھی تو بھلے دن آئیں گے۔ اور ہم پیپلز پارٹی میں جائیں گے۔ انہوں نے اپنے بہت سے دوستوں کے ذریعہ پیپلز پارٹی کی چیئرپرسن اور شریک چیئرپرسن محترمہ نصرت بھٹو اور محترمہ بے نظیر بھٹو سے رابطے کئے اور پے در پے کئے اپنی طرف سے غیر مشروط فرماں برداری کا سٹامپ لکھ کر دیا۔ اور وفاداری بشرط استواری کا پٹہ گلے میں لٹکایا۔ لیکن "واں ایک خاموشی تیری سب کے جواب میں" والی بات رہی اور صدائے برنخواست کا سماں رہا۔

محترم کھر صاحب نے ملتان کے نشتر ہسپتال سے اپنے دل کے تمام امراض کا بلیٹن بھی بار بار جاری کرایا۔ ان کا خیال تھا کہ شاید کوئی اہل دل ان کے دل کی خرابی کے حوالے سے ہی ان پر مہربان ہو جائے گا۔ لیکن وہاں سے کوئی جواب نہ آیا حتیٰ کہ جناب کھر "کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گئے"۔ کیونکہ حسن جاناں کی کچھ یادیں بقول بعض "رقیب روسیاہ" سے بھی وابستہ تھیں لیکن کھر صاحب اپنے مقدر کے ہاتھوں اس کوچے میں بھی مار کھا گئے اور ان

کی شنوائی نہ ہوئی۔ اسی دوران ان کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا۔ تو پنجاب کی حکومت سے ملتان کے کمشنر نے کہا کہ ملک صاحب کو جنازے میں شامل ہونے کی اجازت دے دی جائے۔

یہ کمشنر صاحب ایک زمانے میں جناب کھر کے بہت قریب تھے اور ڈپٹی کمشنر کے طور پر انہیں نیک مشورے دیتے تھے اس بار بھی انہوں نے ذاتی طور پر ملک صاحب سے گذارش کی تھی کہ یہ سب پنجاب کی حکومت کے اس مشفقانہ رویہ سے فائدہ اٹھائیں اور والدہ محترمہ کے جنازے کو کندھا دے آئیں۔ ہم آپ کو پیرول پر رہا کرائیں گے اور نماز جنازہ کے بعد واپس ہسپتال لے آئیں گے یاد رہے کہ ان دنوں نشتر ہسپتال کے وہ وارڈ "سب جیل" قرار دیئے گئے تھے۔ جہاں جناب کھر صاحب زیر علاج تھے۔

ملک صاحب کو پیرول پر رہا کرنے کے تمام انتظامات ہو چکے تھے لیکن پتہ نہیں انہیں کس دانا دشمن نے مشورہ دیا کہ وہ اپنے مطالبات سامنے لے آئے اور کہا کہ" اگر آپ نے مجھے رہا کرنا ہے تو کم از کم ایک ہفتہ کی مدت کے لیے رہا کیا جائے تاکہ میں والدہ کی قل خوانی اور پس ماندگان کے دکھ میں برابر کا شریک ہو سکوں"۔

ظاہر ہے کہ کوئی حکومت اور وہ بھی مارشل لائی

"حکومت" اپنے کسی بھی حریف کو اتنی مہلت نہیں دے سکتی کہ وہ اس کے لیے چھوٹی موٹی پریشانی پیدا کرنے کے قابل ہو جائے۔ چنانچہ پنجاب حکومت بھی مشروط پیشکش پر اڑی رہی اور کھر صاحب اپنے مطالبے پر ڈٹے رہے۔ سورج غروب ہو گیا کیونکہ سورج وقت کی رفتار کو "جیل" کوئی نہیں روک سکتا۔ کھر صاحب کو ان کے گاؤں "کھر غربیا داڑھے" لے جانے کے لیے آنے والی گاڑیاں واپس چلی گئیں اور گھر والوں نے کھر صاحب کی "اڈیک" کے بغیر ہی والدہ کا جنازہ پڑھا اور پھر انہیں سپرد خاک کر دیا گیا۔ شاید انہیں کسی باوثوق ذریعہ سے پتہ چل گیا تھا کہ ملک غلام مصطفیٰ کھر کے مطالبات پنجاب حکومت تسلیم نہیں کرے گی۔

لیکن لوگ یہ دیکھ کر مزید پریشان ہوئے کہ نماز جنازہ میں شرکت کے لیے اپنی شرائط پیش کرنے والے شیر پنجاب نے قل خوانی پر یعنی دوسرے ہی روز غیر مشروط رہائی پیرول پر تسلیم کر لی۔ سوچنے والے حیران تھے کہ والدہ کے آخری دیدار اور جنازے کو کندھا دینے کے موقع پر تو ملک صاحب "اڑ" گئے اور اب قل خوانی پر چپ چاپ چلے آئے۔ بہرحال ہمارا مقصد اس واقعہ کو لکھنے سے یہ دکھانا ہے کہ انہوں نے شروع ہی سے اس قسم کی سیاست کی ہے جب جناب بھٹو کے ساتھ کوئی نہیں تھا ۱۹۹۵ء میں تو ملک غلام مصطفیٰ کھر نے اپنی گردن پیش کر دی۔ اور پولیس نے ان کی گردن میں رسی ڈالنے کی بجائے رستے سے ان کے ہاتھ باندھ دیئے اور ٹریکٹر کا قرضہ ادا نہ کرنے کے جرم میں پکڑ کر بند کر دیا۔

پھر انہوں نے انتخابی مہم میں جناب بھٹو کے ڈرائیور کے طور پر بہت شہرت حاصل کی انہیں ملتان میں جناب صادق حسین قریشی اور محترم رضی شاہ گردیزی مرحوم کے لوگوں کے حملے سے قادر پور راواں میں بچایا۔ جناب بھٹو کو اس حملے سے بچانے کا سہرا صرف اور صرف غلام مصطفیٰ کھر کی ماہرانہ ڈرائیونگ کے سر بندھتا ہے۔ پھر انہوں نے صادق آباد میں بھی اسی چابکدستی کا مظاہرہ کیا جماعت اسلامی کے نوجوانوں نے ان کی کار روک لی اینٹوں اور پتھروں کی بارش کر دی ایک نوجوان طالب علم رہنما امان اللہ کا بازو ٹوٹا، سادات کے نمائندہ رحمان نواز کے سر میں چوٹیں آئیں۔ لیکن ملک غلام مصطفیٰ کھر کی ڈرائیونگ نے یہاں بھی کمال دکھایا اور بھٹو کو بال بال بچایا۔

پھر ۱۹۷۰ء کے انتخابات ہوئے تو پیپلز پارٹی مغربی پاکستان میں جیت گئی مشرقی پاکستان الگ ہوا۔ اور مغربی پاکستان ہی اصل پاکستان بن گیا جناب بھٹو کو اقتدار ملا، ملک غلام مصطفیٰ کھر بھی شریک اقتدار ہوئے۔ لیکن پھر پتہ نہیں کیا ہوا کہ اچانک گورنری اور وزارت علیا جناب صادق حسین قریشی کے سپرد کر کے پیپلز پارٹی سے نکل گئے۔ تاج پورہ لاہور کے انتخابی معرکہ میں چند کارکنوں کی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کے بعد پھر دوبارہ پیپلز پارٹی میں آ گئے۔ مارشل لاء لگنے کے بعد جب جناب بھٹو پر مقدمہ قتل قائم ہوا۔ تو ملک صاحب ملک سے باہر چلے گئے۔ ان کے پیپلز پارٹی کی قیادت سے اختلافات شروع ہو گئے اور انہوں نے بقول واقفان راز درون پارٹی دشمن پالیسی اختیار کر لی۔ کسی نے کہا کہ ملک غلام مصطفیٰ کھر نے بھارت سے گٹھ جوڑ کیا ہے اور بھارت کو پاکستان پر حملہ آور ہونے کے لیے اکسایا ہے یہ باتیں بار بار پریس میں بھی آئیں کچھ لوگوں نے کہا کہ ملک صاحب نے کابل میں جا کر "الذوالفقار" منظم کی۔ اس دور میں لاہور ملک صاحب کے ایسے ہی کارناموں کی صدائے بازگشت سے گونج رہا تھا۔ کسی نے بتایا کہ ملک صاحب نے ایک برادر اسلامی ملک کی مدد سے ریڈیو سٹیشن بھی قائم کر لیا ہے اور وہ پاکستان میں مسلح جدوجہد کی رہنمائی کر رہے ہیں وغیرہ وغیرہ حقیقت حال کیا تھی اللہ جانے۔ تاہم جب ملک صاحب کو پیرول پر پہلی بار رہا کیا گیا تو انہوں نے پریس کے سامنے ان تمام الزامات کی تردید کی اور کہا کہ وہ تو پاکستان میں ایک اہم کردار ادا کرتے آئے ہیں۔ ان کا اصل ٹھکانہ پیپلز پارٹی ہی ہے کیونکہ پارٹی کے کارکن ہی ان کا اصل سرمایہ ہیں اس لیے وہ پارٹی کارکنوں سے پیار کرتے ہیں اور قیادت کا احترام کرتے ہیں۔ اسی دوران کچھ سیاسی کارکنوں نے خیال ظاہر کیا تھا کہ ملک غلام مصطفیٰ کھر کو لندن میں یہ یقین دلایا گیا تھا کہ ان کے ہم نام جناب غلام مصطفیٰ جتوئی صاحب وزارت عظمیٰ کی گدی پر متمکن ہو رہے ہیں اور پنجاب کی گورنری ملک کھر صاحب کا انتظار کر رہی ہے۔ چنانچہ وہ اس تخت پر جلوہ افروز ہونے کے لیے واپس وطن آ گئے ہیں۔ لیکن یہاں آتے ہی دھر لیے گئے ملک صاحب بھی کچی گولیاں نہیں کھیلے تھے۔ انہوں نے دل کی بیماری کا "ڈرامہ" رچایا۔ اخبارات نے ان خبروں کو خوب مرچ مصالحہ لگایا۔ ہر روز ان کی ای سی جی کے بعد ریکوری کی خبریں شہ سرخیوں کے ساتھ استہزاً شائع ہوتی تھیں۔ یوں ظاہر کیا جاتا تھا کہ ملک صاحب کے دل کا جانا ٹھہر گیا ہے صبح گیا یا شام گیا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ اب کبھی دل پھڑکنے کی بات استعارۃً بھی نہیں ہوتی۔ یہ سیاسی مریض بھی عجیب لوگ ہوتے ہیں۔ محترمہ نصرت بھٹو ایک زمانہ میں سخت ذہنی کشمکش کا شکار تھیں ان کے خاوند جناب بھٹو کو پھانسی دے دی گئی اور انہیں جیل میں ڈال دیا گیا۔ پھر اچانک پتہ چلا کہ وہ تو سرطان جیسے موذی مرض سے دوچار ہیں انہیں "علاج" کے لیے بیرون ملک بھیج دیا گیا اور وہاں سے بھی ان کی بیماری کے بارے میں مایوس کن خبریں آتی رہیں۔ لیکن جب سے وہ پاکستان کی سینئر وزیر بنی ہیں۔ اس وقت سے آج تک کسی بیماری کو جرأت نہیں ہوتی ان کے پاس پھٹکنے کی۔ اور اب نہ سرطان ہے اور نہ ہی خفقان، اقتدار بذات خود بہت بڑا ٹانک اور عجیب و غریب اثرات رکھنے والا تریاق ہے اسی طرح کا حال جناب کھر کا ہے وہ بھی جب جیل سے رہا ہو گئے تو ان کا دل بھی صاف ہو گیا۔ ۱۹۸۸ء کے عام انتخابات تک وہ پیپلز پارٹی میں داخلے کا ٹکٹ حاصل نہ کر سکے تو انہوں نے جتوئی صاحب کی پارٹی سے بھی رشتہ توڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی مسئلے پر جتوئی اور کھر کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے۔ گرماگرمی بھی ہوئی محترمہ تہمینہ کھر کی طلاق کا مسئلہ کھڑا ہو گیا جسے جتوئی صاحب نے نہ صرف "بٹھا" دیا بلکہ گہری نیند سلا دیا پھر یہ بھی دور آیا کہ جتوئی صاحب کی نیشنل پیپلز پارٹی عملاً "کھر رہائی کمیٹی" بن کر رہ گئی۔ لیکن کھر صاحب جیل سے رہا نہ ہوئے اس پچھلے زمانے میں یہ بھی سنا گیا کہ مارشل لاء والوں نے جناب جتوئی کو وزارت عظمیٰ کی پیشکش کی۔ اس شرط پر کہ وہ جنرل ضیاء الحق کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنا قبلہ "پی کیپ" پہنے ہوئے اسی کجکلاہ کی طرف راست کر لیں۔ اس وزارت عظمیٰ کے ساتھ کھر صاحب کو پنجاب کی گورنری جھونگے میں ملنا قرار پائی۔ اور محترمہ تہمینہ کھر نے علیحدگی پر گورنری کا انتظار

کرنے کو ترجیح دی۔

لیکن وہ جو کہا گیا ہے ناں کہ ہمارا یہ شیر وقت پر فیصلے نہیں کر پاتا اور وقت گزرنے کے بعد پاؤں میں کانٹے چبھنے کی شکایتیں کرتا ہے سو اس وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ اور پنجاب کے شیر نے مارشل لاء کی پکار میں جانے سے انکار کر دیا۔ خیر ۱۹۸۸ء کے عام انتخابات میں ملک صاحب ایک نشست سے نہیں بلکہ دو نشستوں سے جیت گئے۔ جیتنے کے بعد ایک بار پھر انہوں نے پیپلز پارٹی میں شرکت کے لیے سر توڑ کوشش کی۔ ان کے بہی خواہ اور ہمدرد سر جوڑ کر بیٹھے۔ لیکن چند روز کی بیٹھک نے کوئی نتیجہ نہ دیا۔ کافر شنوائی شد ناچار مسلمان شو۔ والی مثال پر عمل پیرا ہو کر ایک نشست جتوئی صاحب کے لیے خالی کر دی۔ وہاں سے انہیں کامیاب کرا دیا۔ تو کھر صاحب کے لیے پیپلز پارٹی کی قیادت اور جیالوں کے دلوں میں "دشمنی" بڑھ گئی۔ لیکن جناب کھر نے ہمت نہ ہاری اور تمام رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے

پیپلز پارٹی کی قیادت کے ساتھ ایک بار پھر مصروف گفتگو ہوئے اس بار پیپلز پارٹی کی طرف سے جو کچھ علاوہ مرحوم ظہور نظر کے اس شعر کی عملی تشریح تھا۔

"رکھی ہے اس نے یہ تجدید رسم و راہ کی شرط
کہ دوستی نہ بڑھے صرف دشمنی کم ہو"

اور اللہ نے کیا تو دشمنی کم ہو گئی اور پھر کھر صاحب کی توبہ قبول ہوئی اور انہیں پارٹی میں شرف باریابی نصیب ہو گیا لیکن وہ کہتے ہیں کہ تدبیر کند بندہ تقدیر زند خندہ۔ پیپلز پارٹی سے پیوند رفاقت باندھنے کے اعلان کی سیاہی ابھی سوکھی نہیں تھی کہ جناب جتوئی نے میاں نواز شریف کی سنگت میں ایک زوردار کارنامہ انجام دے ڈالا۔ محترمہ تہمینہ کھر نے طلاق لے لی اور میاں نواز شریف نے انہیں مشاورت دے دی۔

جناب کھر نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور اعلان کر دیا کہ تین ماہ کے اندر میاں نواز شریف کی وزارت ختم کر دوں گا۔ اور اس کے لیے بے شمار خفیہ دورے شروع کر دیئے ادھر ڈوبے ادھر نکلے والی بات ہو گئی۔ لیکن تقدیر ایک بار پھر جناب کھر سے ناراض ہو گئی اور کسی غیر مرئی طاقت نے پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت کو نواز شریف میاں کے خلاف ایسی چھوٹی چھوٹی حرکتیں کرنے سے منع کر دیا۔ چنانچہ پارٹی قیادت نے جناب کھر کو مشورہ دیا کہ وہ ایک تازہ شادی رچالیں اور نئی نویلی دلہن کو ساتھ لے کر لندن چلے جائیں ملک صاحب نے یہ کام بھی بے وقت کر ڈالا۔

اور اب تازہ ترین شاہکار یہ ہے کہ انہوں نے گزشتہ ہفتے ایک بہت صحیح بات انتہائی غلط موقعہ اور نامناسب وقت پر کہہ دی۔ ہوا یوں کہ پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت کی زیر صدارت ایک اعلیٰ سطحی اجلاس ہو رہا تھا۔ پارٹی کی گری ہوئی ساکھ زیر بحث تھی۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے سب سے پوچھا کہ آخر پارٹی کی مقبولیت کو سنبھالا کیسے دیا جائے۔ انہوں نے دراصل پاکستانی "گیلپ سروے" کی وہ خبر پڑھ لی تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ میاں نواز شریف روز بروز مقبول ہوتے جا رہے ہیں تو جناب کھر نے اس موقعہ پر اپنا آزمودہ نسخہ محترمہ بے نظیر کو بتایا۔ انہوں نے کہا کہ یہ آپ کی کابینہ کے تین چار وزیر انتہائی کرپٹ ہیں۔ انہیں فوری طور پر فارغ کر دیا جائے۔ بالکل اسی طرح جس طرح میں نے چوہدری نعمان کو وزارت سے ہٹایا تھا۔ کھر صاحب نے اپنے حوالے

[illegible]
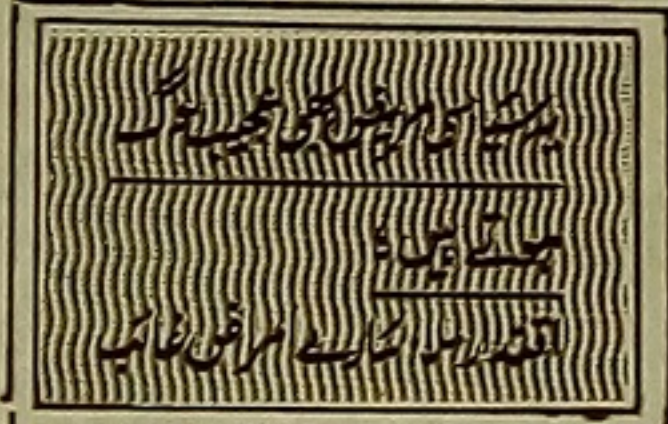
سے بات کرنے کی غلطی کے ساتھ ساتھ پارٹی کے مرکزی سیکرٹری جنرل شیخ رفیق کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ رفیق صاحب بتائیں میری کابینہ کے وزیر کس طرح کام کرتے تھے۔ کیا انہیں اپنی مرضی سے کسی جگہ آنے جانے کی اجازت تھی وہ جہاں بھی جاتے تھے سب سے پہلے مجھے اطلاع دیتے تھے کہ ہم یہاں ہیں۔ آج وزراء وزیراعظم کی پرواہ نہیں کرتے نہ صرف اپنی مرضی سے اِدھر اُدھر کے دورے کرتے ہیں بلکہ بیرونی ممالک میں وفود بھی اپنی مرضی سے بھیجتے ہیں جن کی وزیراعظم صاحبہ کو خبر تک نہیں ہوتی۔

قارئین کرام اب آپ ہی بتلایئے کہ ایسی بے وقت کی راگنی چھیڑنے والا آج کے ماحول میں سیاستدان کہلانے کا مستحق ہے؟ کھر صاحب نے کہا تو درست ہے اگر پارٹی کے اندر اس احساس نے سر اٹھا لیا ہے کہ پارٹی کی ساکھ متاثر ہو رہی ہے تو پھر اسے بہر حال ان بدعنوان عناصر کا محاسبہ تو کرنا ہی پڑے گا نا!

آج نہیں تو کل ضرور اس عمل سے گزرنا ہو گا۔ اگر پارٹی اپنا اور اپنے وزیروں امیروں کا محاسبہ خود نہیں کرے گی تو پھر کوئی دوسرا یہی عمل کر ڈالے گا۔ اور وہ وقت بہت پریشانی کا ہو گا۔ اس کٹھن مرحلے سے گزرنے کی بجائے بہتر ہے کہ پارٹی فوری طور پر اس طرف توجہ دے۔ کھر صاحب نے یہ بات کہہ کر وزیروں اور ان کے پس خوردہ پر پلنے والے چند جیالوں کو ناراض تو کر لیا ہے لیکن پارٹی کے اندر بہت بڑی خاموش اکثریت کے دل کی بات کہہ دی ہے۔ اگرچہ کھر کے ساتھی نقیبان مصلحت بھی مہر بلب ہیں۔ وزیروں نے تو ان کے خلاف محاذ بنا لیا ہے لیکن جن پر کھر صاحب نے تکیہ کیا تھا وہ پتے بھی ہوا دے رہے ہیں۔ اور ہوا بھی وہ جسے بادِ مخالف کہتے ہیں۔ شاید کوئی صاحب آگے بڑھ کر کھر صاحب سے کہہ دے کہ

ع تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے کھر
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لیے

جناب کھر سے گزارش ہے کہ وہ اتنا اونچا بھی نہ اڑیں کہ عوام کی نظروں سے بھی اوجھل ہونے لگیں۔

بہر حال یہ تو ان کی اپنی سوجھ بوجھ کا امتحان ہے وہ جانیں اور پارٹی جانے ہم تو یہ بتا رہے تھے کہ کھر صاحب نے ایک بار پھر موقعہ اور محل دیکھے بناں بات کہہ دی ہے اس سے پیپلز پارٹی کے ٹھہرے ہوئے اور منجمد "تالاب میں کچھ بے چینی سی لہریں تو اٹھی ہیں۔ پارٹی میں ایک تنظیمی بحران دکھائی دے رہا ہے اور سنا ہے کہ محترمہ بے نظیر بھٹو بنفس نفیس پنجاب کا تنظیمی دورہ کرنے والی ہیں۔ ایک لطیفہ یہ بھی ہوا ہے کہ ایک ایسے وفاقی وزیر نے بھی کھر صاحب کو چیلنج کر دیا ہے جو کبھی پارٹی کے وائس پریذیڈنٹ شیخ محمد رشید کے نظریاتی فرزند تھے۔ شیخ جی کے نظریاتی کوٹے کے حوالے سے کھر کابینہ میں صوبائی مشیر اور وزیر رہے پھر شیخ صاحب کی بیعت توڑ کر کھر صاحب کے دامان کرم سے ناطہ جوڑ لیا۔ پھر کسی دوسری سمت سے اشارہ ہوا تو کھر دشمنی کو اپنا ماٹو بنا لیا مارشل لاء کے دوران ملتان میں ہونے والی کھر کنونشن میں مہمان خصوصی تھے جبکہ کھر صاحب ابھی لندن ہی میں تھے اور یہ سنا جا رہا تھا کہ وہ پنجاب کے گورنر بن کر پاکستان آ رہے ہیں۔ اب دیکھیں کیا صورت پیش آتی ہے اور پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

# قائدِ اہلسنّت امامِ انقلاب

# حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی

## ایک نظر میں

حافظ اعجاز احمد سعیدی

جمعیت علماء پاکستان کے سربراہ قائدِ اہلسنت امام انقلاب، حق و صداقت کی نشانی حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی مدظلہٗ کے حالیہ دورہ راولپنڈی ڈویژن کے موقع پر (۱۲ جون ۱۹۹۶ء بزم فیضان مدرسہ فاروقیہ رضویہ شفیقیہ۔ رجسٹرڈ پنڈدادن خان کے زیر اہتمام) پنڈدادن خان شہر (ضلع جہلم) کے جلسہ عام میں راقم الحروف (بزم فیضان کے نائب صدر حافظ اعجاز احمد سعیدی) نے بزم فیضان کیطرف سے قائدِ اہلسنت کی خدمت اقدس میں خطبہ استقبالیہ پیش کیا جسے مضمون کی شکل میں ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے تاکہ جمعیت کے کارکنوں سمیت وطن عزیز کے غیور عوام نظام مصطفیٰ ﷺ کے اس بااصول، جی دار، محب وطن، صوبائیت، لسانیت اور علاقائیت کے نعروں کے خلاف سراپا جہاد، مسلم قومیت کے علمبردار اور نظام مصطفیٰ ﷺ کے مخلص سپاہی کے بارے میں معلومات حاصل ہوں، قائدِ اہلسنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی پاکیزہ زندگی نظام مصطفیٰ ﷺ کے لئے وقف ہے اور اسے تاریخ کے آئینے میں بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ اس ہی پاکباز شخصیت کی قیادت میں نظام مصطفیٰ ﷺ کا پرامن فلاحی اور اسلامی انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے، قائدِ اہلسنّت امام شاہ احمد نورانی نے اپنے والد ماجد حضرت مبلغ اسلام علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد آپ کے تبلیغی مشن کو جاری رکھا اور ۱۹۵۵ء سے تبلیغی دوروں کا آغاز کیا آپنے بیرون ملک سیکڑوں دورے کیے اور دوروں میں ہزاروں غیر مسلموں نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کرکے سعادت ابدی حاصل کی، جن میں ایک عام آدمی سے لیکر پادری، راہب، وکلاء، انجینئرز، ڈاکٹرز اور مختلف شعبہ ہائے زندگی کے لوگ بھی شامل ہیں اور بیرون ممالک مرزائیوں سے مناظرے کرکے انہیں شکست در شکست دیکر مسلمانوں کو ان کے دام فریب سے نکالنا اور بیرون ملک درجنوں دینی مدارس، تبلیغی مراکز اور درجنوں مسلم تنظیموں کو قائم کرکے انکی سرپرستی کرنا اور انہیں کامیابی سے چلانا اور جنوبی افریقہ کیپ ٹاؤن کے میئر سے سفیر اسلام کا خطاب و اعزاز حاصل کرنا تاریخ اسلام کا سنہری باب اور قائد محترم کی ناقابل فراموش خدمات کا بیّن ثبوت ہے۔ قائدِ اہلسنّت علامہ امام شاہ احمد نورانی صدیقی بیرون ملک اپنے والد ماجد فخرالاولیاء مبلغ اسلام حضرت علامہ شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھیؒ کے تبلیغی مشن کو جاری رکھکر پرچم اسلام کو بلند رکھے ہوئے ہیں وہ قائدِ اہلسنت ہی کی خصوصیت ہے اور اس پر آپکو جتنا خراج تحسین پیش کیا جائے وہ کم ہے، قائدِ اہلسنت نے بیرون ملک کی طرح اندرون ملک بھی جو قومی، ملی، دینی اور سیاسی خدمات سرانجام دی ہیں اس پر آپ سیاسی لیڈروں اور اخبارات و رسائل سے داد تحسین حاصل کرچکے ہیں تاہم بدلتے ہوئے حالات کے تحت ان کا اجمالی تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

قائدِ اہلسنّت علامہ شاہ احمد نورانی ۱۹۶۹ء میں جب بیرون ملک دوروں سے واپس تشریف لائے تو تشریف لاتے ہی سب سے پہلے آپنے قادیانیوں کو آڑے ہاتھوں لیا اور ان کے خلاف بیان دے کر انہیں مقابلے کا چیلنج دیا اس بیان کا مقصد سنّت صدیقی اپناتے ہوئے اس فتنہ کو اندرون ملک بھی ختم کرنا تھا چنانچہ جب قائدِ اہلسنت جمعیت کا منشور مقام مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ اور نظام مصطفیٰ ﷺ کا نفاذ لیکر اسمبلی میں گئے تو آپ نے سب سے پہلے منشور کے پہلے حصے کو اپنی توجہ کا مرکز اور نصب العین بنایا اور ۱۹۷۲ء،

> مسلمان کی جامع تعریف کو آئین پاکستان کا حصہ بنوانا اور اسے صدر و وزیراعظم کے آئینی حلف ناموں میں داخل کروانا مولانا نورانی کے کارنامے ہیں۔

میں آپ نے پہلی مرتبہ اسمبلی میں مسلمان کی تعریف کا مسئلہ اٹھا کر ارکان اسمبلی کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور بعض دیوبندی مولویوں، کوثر نیازی، غلام غوث ہزاروی اور عبدالحکیم کی مخالفت کے باوجود مسلمان کی جامع مانع تعریف اسمبلی میں پیش کرتے ہوئے اسے آئینِ پاکستان کا حصہ قرار دلوایا۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں حکومت اور انتظامیہ کا مذہب "اسلام" سربراہِ حکومت کیلئے مسلمان کی شرط کو منظور کروانا اور اسے صدر اور وزیر اعظم کے آئینی حلف نامہ کی عبارت میں داخل کروانا بھی امام انقلاب علامہ شاہ احمد نورانی کے عظیم قومی و ملی کارناموں کا حصہ ہے۔ اندرون ملک مرزائیوں پر پہلی ضرب کاری تھی اور پھر آپ نے مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دلوانے کے لیے شب و روز ایک کر دیئے اسمبلی کے اندر اراکین اسمبلی اور اسمبلی سے باہر عوام الناس کے ساتھ مسلسل رابطوں نے اسے تحریک کی شکل دے دی اور بالآخر آپ کی شبانہ روز کوششیں ۱۹۷۴ء کو بار آور ثابت ہوئیں اور پاکستان میں مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دلوانے دیا گیا اور اس طرح جمعیت کے منشور کا ایک حصہ مقام مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ تکمیل پذیر ہوا۔ اور سابق وفاقی وزیر تعلیم عبدالحفیظ پیرزادہ سے تنظیم المدارس اہلسنت کی سند کو ایم اے کے برابر منظور کروانا

- فوج کے اندر ائمہ اور خطیب رکھنے کے لئے اہلسنت کے مدارس کو جی ایچ کیو سے منظور کروانا۔
- قادیانی ایم ایم احمد کی مشرقی پاکستان میں غداریوں اور پاکستان دشمن کاروائیوں کے خلاف سب سے پہلے آواز بلند کر کے اس کی چھٹی کرانا۔
- قادیانیوں کے لاہوری اور قادیانی گروپ کی طرف سے پچاس کروڑ روپے کی رشوت کو ٹھکرا کر جواب دینا "ہمارا سودا بازارِ مصطفیٰ ﷺ میں ہو چکا ہے"
- ۱۹۷۳ء کے آئین میں سوشلزم کو داخل نہ ہونے دینا۔
- ضیاء الحق حکومت کی طرف سے وزیر اعظم بننے کی پیشکش کو نظامِ مصطفیٰ ﷺ کی خاطر مسترد کر دینا۔
- بقول جنرل کے ایم اظہر کے ضیاء الحق کے منہ پر اسکی حکومت کو غیر آئینی قرار دینا۔
- سب سے پہلے سیاچین گلیشیر پر ہندوستانی قبضہ کا انکشاف کرنا اور اسی بناء پر ضیاء الحق کے کورٹ مارشل کا مطالبہ کرنا۔

امام شاہ احمد نورانی نے اپنے والد ماجد
مبلغ اعظم حضرت شاہ عبدالعلیم
صدیقی رحمۃ اللہ علیہ
کی وفات کے بعد آپ کے
تبلیغی مشن کو جاری رکھا۔

- مختلف سیاسی جماعتوں کو اسمبلی کے فورم پر اکٹھا کرنے میں اہم کردار ادا کرنا جس سے متحدہ حزبِ اختلاف کا وجود عمل میں آیا۔
- اسمبلی کے اندر بھٹو کے مقابلے میں وزیر اعظم کا انتخاب لڑنا۔
- عراق ایران جنگ بند کرانے کے لئے ایشیا کے واحد نمائندے کی حیثیت سے اقوام متحدہ کے جنرل سیکریٹری سے مذاکرات کرنا اور جنگ بندی کے سلسلے میں مختلف تجاویز پیش کرنا۔
- ۱۹۸۰ء میں — افغان مسئلہ حل کرنے کے لئے افغان حکومت کو تسلیم کئے بغیر مذاکرات کا مطالبہ کرنا۔
- روس میں لینن کی قبر پر پھول نہ چڑھانا۔
- شراب نوشی پر یحییٰ خان کو ڈانٹ پلانا اور
- بھٹو کو لاجواب کرنا۔

یہ سب قائد اہلسنت امام انقلاب علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کی قومی، ملی، دینی اور سیاسی خدمات اور آپ کی حق و صداقت اور غیرت ایمانی کا منہ بولتا ثبوت ہے اور اسی طرح آپ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۶ء تک نظام مصطفیٰ ﷺ کے نفاذ کے لئے سرگرم عمل ہیں، بھٹو دور میں آپ پر قاتلانہ حملے کا ہونا اور آپکو پاکستان کی بدترین جیل میں پابند سلاسل رکھا جانا، ضیاء دور میں بھی آپ پر قاتلانہ حملے کا ہونا اور مسلسل صوبہ بدر اور گھر میں نظر بند رکھا جانا اور بے نظیر دور میں بھی آپ پر دوبارہ قاتلانہ حملے کا ہونا، تیراندازوں اور بیگانوں کی بے جا باتیں بھی آپ کو اپنے عزم سے متزلزل نہ کر سکیں۔

**چند گزارشات:** ملک جس بے راہ روی اور سیاسی انتشار کا شکار ہے وہ مخفی نہیں، مرکز اور صوبوں کی جنگ، ارکان اسمبلی، حتیٰ کہ اب تک ضمیر میں ووٹروں کی خرید و فروخت، لوٹ کھسوٹ، اقربا پروری لسانی، علاقائی اور گروہی اختلافات نے ملک و ملت کے ساتھ ساتھ مسلک کو بھی تباہی کے کنارے پر پہنچا دیا ہے، اہلسنت میں سیاسی اختلافات و انتشار ہی نہیں بلکہ دینی انتشار سے جو صورت حال پیدا ہوئی اس نے اہلسنت کے ماضی کے کارناموں کو حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیا ہے اور کچھ لوگ اپنے مسلک کو سیاسی مفادات کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں ان تمام حالات کے پیش نظر امید کی جاتی ہے کہ قائد اہلسنت حضرت عَلّامہ اِمام شاہ اَحمد نُورانی صِدّیقی ملکی سالمیت اور اہلسنت کے اتحاد کیلئے کوئی جامع پروگرام پیش فرما کر قوم و ملت اور اہلسنت کو بھنور سے نکالنے کی بھرپور سعی فرمائیں گے۔

**قوم کو امید ہے کہ امام نورانی ملت کو موجودہ بھنور سے نکالنے کی بھرپور سعی کریں گے۔**

کے سر کا بچہ — بالطف کے بڑے بڑے خواب — خود

تلواروں کے جوہر جیسا رنگ — یہ سب روشن خواب — مصطفیٰ

سے کیا کم یہ مصطفیٰ رضا مفتی اعظم ہند ہیں کا خطاب — کے

سے نہارے نام میں تم کو بزرگی کی سند حاصل

رضا جو بزرگی ہے رضا نے مصطفیٰ تم ہو گے

بے شک تاجدار اہلسنت لوگوں کو دیکھ کر سبھی "نوٹ اوری"

ہوتے تو کہیں "احمد رضا" ——

●

۲۲ ذی الحجہ ۱۳۱۰ھ ۱۸ جولائی ۱۸۹۲ء میں سرزمین بریلی شریف ایک بار پھر رشک ثریا بن گئی اس کی تقدیر جاگ اٹھی — جب کہ ہدایت کے برج تاباں ، شیخ الاسلام والمسلمین — امام اہلسنت اعلیٰحضرت — امام احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہ کے گھران کا نورِ نظر — سرور قلب و جگر آیا — یعنی قطبِ وقت آفتابِ ولایت — صاحب علم و فضیلت تاجدار اہلسنت — مفتی اعظم ہند — مولانا مصطفیٰ رضا خاں (نوری میاں) تولد ہوئے — رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

●

حضرت مخدوم شاہ ابوالحسین احمد نوری جانشین حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی قدس سرہم نے ابوالبرکات محی الدین جیلانی "نام تجویز فرمایا ——

"محمد" کے نام پر عقیقہ ہوا اور "مصطفیٰ رضا" عرف قرار پایا ہے

آپ اپنے والد ماجد حضرت امام احمد رضا خاں محدث بریلوی قدس سرہٗ کی دعاء اور اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ ابوالحسین نوری میاں قدس سرہم کی نوید تھے ——

آپ کی بیعت و خلافت کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ آپ کی ولادت کے چھ ماہ بعد حضرت نوری میاں قدس سرہٗ موصوف بریلی شریف تشریف لائے اور اپنی دیرینہ خواہش کے بموجب آپ کو دیکھا اور گود میں لے کر اس نعمت خداوندی پر حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کو مبارک دیتے ہوئے فرمایا

"یہ بچہ بڑا ہو کر دین و ملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوقِ خدا کو اس کی ذات سے بڑا فیض پہنچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے — یہ فیض کا دریا ہے — اس کی نگاہوں سے لاکھوں گمراہ انسان دینِ حق پر قائم ہوں گے"

اس کے ساتھ ہی حضرت تاجدار اہلسنت کے منہ میں اپنی انگلیاں ڈال کر سلسلۂ عالیہ قادریہ میں بیعت سے مشرف فرما کر اجازت و خلافت سے بھی نوازا — ۵

●

حضور تاجدار اہلسنت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کا بچپن کا زمانہ اپنے والد ماجد حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کے زیر سایہ علمی ماحول میں گزرا — اور ان ہی کی سرپرستی میں تمام مروجہ علوم و فنون پر بھی دسترس حاصل کی — آپ نے حضرت مولانا شاہ رحیم الٰہی منگلوری علیہ الرحمہ سے خصوصی درس لیا — اور اپنے برادر اکبر حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں قدس سرہٗ سے بھی اکتساب علم اور فیوض و برکات حاصل کئے ہے — ۶

●

حضرت امام اہلسنت مجدد دین و ملت امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ کے دربار میں بڑے بڑے جید علمائے کرام اپنی اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے ہر وقت حاضر رہا کرتے تھے اور امام الفقہاء امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ دقیق سے دقیق ——— مشکل سے مشکل مسائل کو پل میں چٹکی بجاتے حل فرما دیتے تھے تو تاجدار اہلسنت مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ پر اپنے والد ماجد کی علمی لیاقت اور خداداد ذہانت و صلاحیت کا بڑا اثر پڑتا ——— جب آپ کی عمر شریف ۱۸ برس ہوئی تو آپ کے والد ماجد نے ۱۳۲۸ھ میں علماء

و فضلاء کی موجودگی میں ایک مجمع (بریلی شریف) میں بہت ہی واضح الفاظ میں اعلان فرمایا ———

"میرا یہ بچہ ولی ہے — اس سے فائدہ حاصل کرو۔" ۷

——— چنانچہ امام وقت امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ کی زبانِ حق ترجمان سے نکلے یہ الفاظ کتنے سچ ثابت ہوئے کہ دنیا نے دیکھا کہ یہ بچہ اقلیمِ علمیت و ولایت پر آفتاب بن کر چمکا — جس کے روحانی فیض سے لاکھوں گمراہ انسانوں نے راہِ مستقیم پائی — جس کی پوری زندگی تبلیغ دین میں گذری — جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ یادِ الٰہی اور مخلوقِ خدا کی خدمت گذرا ——— جس نے زندگی بھر اپنے والد ماجد کی طرح عشقِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جذبے کو اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ جو دشمنانِ دین کے لئے ایک ننگی تلوار تھا اور عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم — محبانِ دینِ حق کے لئے ایک شفیق باپ ———

●

آپ نے ۱۳۲۸ھ ۱۸ سال کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا اور رضاعت کے مسائل پر — اعلیٰحضرت کو دکھایا امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ کی بارگاہ میں پیش کیا — ملاحظہ فرما کر آپ کے والد ماجد بہت خوش ہوئے اور ——

صحیح الجواب بعون اللہ العزیز الوہاب

لکھ کر دستخط ثبت فرمائے اور "ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل رحمٰن محمد عرف مصطفیٰ رضا خاں" کی مہر بنوا کر عطا کی ——

——— آپ نے اٹھارہ (۱۸) سال کی عمر سے باقاعدہ فتاویٰ نویسی شروع کی — آپ کو صرف — نحو — منطق — فلسفہ — بلاغت — ہدایہ — وراثت — عروض — ادبیات — تفسیر — تصوف — عقائد — مناظرہ — ہیئت — تاریخ — معانی — علم کلام — معانی بیان — فقہ — حدیث — لغت — اسماء الرجال — علم توقیت اور — جفر وغیرہ علوم پر مکمل دسترس حاصل تھی ——

آپ علم و شرافت کا پیکر تھے — زہد و تقویٰ — عبادت و ریاضت میں کوئی آپ کا ثانی نہ تھا — اپنے والد ماجد کی طرح ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تھے ہر وقت آپ کی مجلس میں نعت خوانی اور درود و سلام ہوتا رہتا ——

آپ شریعت مطہرہ کے پابند اور شیریں بیان تھے ——— طبیعت کی نرمی کا یہ عالم تھا کہ جب گفتگو فرماتے تو یوں معلوم ہوتا کہ بجائے الفاظ کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں پھول نکل رہے ہیں — آپ خود تو شریعت و ملت کے عامل تھے ہی مگر دوسروں کو بھی خلاف شرع برداشت نہ فرماتے یہاں تک کہ دوسروں کو ننگے سر بغیر ٹوپی دیکھا بھی عقد فرماتے ———

اہلیان بریلی شریف کو آپ سے بے حد محبت تھی اسی میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی کوئی تخصیص نہ تھی — غیر مسلم بھی نہایت احترام کیا کرتے تھے — ۸

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ظاہراً اعلیٰ صفت تھے چنانچہ عبدالنعیم عزیزی بلرامپوری علیگ (ہندوستان) مدظلہٗ فرماتے ہیں کہ

"ایک مرتبہ میں اور حضور مفتی اعظم ہند کے جانشین و خلیفہ اور نواسے حضرت علامہ مفتی اختر رضا خان الازہری مدظلہٗ کلکتہ کے سفر پر جا رہے تھے۔ حضرت علامہ الازہری نے ٹرین ہی میں اپنا خواب سنایا کہ انہوں نے اعلیٰحضرت کو دیکھا ہے اتفاق سے اسی وقت میں بھی بیدار ہوا تھا۔ اور میں نے خواب دیکھا تھا کہ لوگ کہہ رہے ہیں "اعلیٰحضرت آرہے ہیں ———" مگر! قریب آئے تو مفتی اعظم ہند نظر آنے لگے۔ میں نے بھی اپنا خواب علامہ موصوف کو سنایا

تو حضرت علامہ ازہری فرمانے لگے۔ اکثر لوگوں کے ساتھ ایسا ہوا ہے۔ بے شک مفتی اعظم ہند مظہر اعلیٰحضرت ہیں — ۱۵

●

تاجدار اہلسنت فرزند امام اہلسنت قدس سرہم نے دنیا کو تہذیب کما اخلاق کا درس دیا اور کیوں نہ دیتے — آپ تو اس خانوادے کے چشم و چراغ اور اس عظیم معلم و مجدد کے شہزادے تھے جس نے زمانے بھر کو تہذیب و اخلاق۔ رواداری و دوستی — اخوت اور مساوات کا درس دیا۔

آپ اخلاص و محبت کا پیکر تھے — آپ کی طبیعت میں عجز و انکساری تو گویا کوٹ کوٹ کر بھری تھی — تکبر و غرور نام کو نہ تھا۔ لوگوں سے شفقت و محبت سے پیش آتے — مریضوں کی عیادت فرماتے۔ غرباء و مساکین کا بے حد خیال رکھتے۔ لوگوں (خاص و عام) کو سلام کرنے میں سبقت فرماتے اور مصافحے کے لئے خود پہلے ہاتھ بڑھاتے۔ آپ کی ذات میں تواضع و انکسار کا عنصر سب سے زیادہ تھا جو کہ تمام طاقتوں کی اصل اور کمال تقویٰ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اپنے والد ماجد کی طرح آپ بھی اپنے وقت کے قطب اقطاب — امام الفقہا اور سیر بے نظیر تھے — ۱۶

●

کون نہیں جانتا کہ آپ کا تعلق اس خاندان سے تھا کہ خود علم جس کے آستانے کا پہریدار ہے — دنیائے اسلام میں آپ کے فیصلے کو حرفِ آخر تصور کیا جاتا تھا۔ کوئی کتنا ہی دقیق و پیچیدہ مسئلہ ہو — اپنے والد ماجد کی طرح پل میں حل فرما دیتے۔ عالم اسلام کو جب کوئی دقیق و اہم مسئلہ درپیش ہوتا تمام مفتیانِ کرام اور علماء و فضلا کی نظریں آپ ہی کی جانب اٹھتیں۔ حق گوئی اور بیباکی میں کوئی آپ کا ثانی نہ تھا —

چنانچہ —

پاکستان میں جنرل ایوب خان کے دورِ حکومت میں ایک "رویت ہلال کمیٹی" قائم کی گئی تھی جس کے ذمہ عیدین و دیگر موقعوں پر ابر وغیرہ کی صورت میں ہوائی جہاز کے ذریعے چاند دیکھنا ہوتا تھا اور حکومت اس کمیٹی کی تصدیق پر ملک میں رویت کا اعلان کر دیتی تھی —

— ایک دفعہ عید الفطر کے موقع پر ۲۹ رمضان المبارک کو اس کمیٹی کے افراد ہوائی جہاز کے ذریعے چاند دیکھنے گئے۔ بلند ہو کر دیکھتے ہوئے ان کو چاند نظر آگیا تو انہوں نے اس کی اطلاع حکومت وقت کو دے دی — حکومت نے ملک بھر میں اعلان کر دیا کہ کل عید ہے — مگر حکومت کے اعلان کے باوجود اس سال پاکستان میں عید دوسرے روز منائی گئی — اس پر تمام عالم اسلام مصر، شام، اردن، عرب وغیرہم کے علاوہ ہندوستان کے مفتیانِ کرام سے فتویٰ مانگا گیا — تقریباً سب ہی نے حکومت کے حق میں فیصلہ دیا مگر — مگر فرزند اعلیٰحضرت تاجدار اہلسنت مفتی اعظم نے اسے نہ مانا اور اپنا فتویٰ صادر فرمایا کہ —

"چاند کو زمین سے دیکھ کر روزہ رکھنے اور عید کرنے کا شرعی حکم ہے اور جہاں چاند نظر نہ آئے وہاں شرعی شہادت پر قاضیٔ شرع حکم دیگا۔ چاند کو سطح زمین یا ایسی جگہ سے جو زمین سے ملی ہوئی ہو دیکھنا چاہیئے۔ رہا جہاز سے چاند دیکھنا تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ چاند غروب ہوتا ہے فنا نہیں ہوتا — اس لئے کہیں چاند ۲۹ کو اور کہیں ۳۰ کو نظر آتا ہے اور اگر جہاز سے چاند کی رویت کا اعلان درست ہوتا تو مزید بلندی پر جانے کے بعد چاند ۲۸ اور ۲۷ کو بھی نظر آ سکتا ہے تو کیا ۲۸ تاریخ کو چاند دیکھ کر یہ حکم دیا جا سکتا ہے کہ اگلے روز عید یا بقر عید جائز ہے — ؟ اسی طرح جہاز سے چاند دیکھ کر فتویٰ صادر کرنا کہ ۲۹ کا چاند دیکھنا معتبر ہے بھلا کس طرح صحیح ہو گا" — ۱۷

آپ کے اس تاریخی حیثیت کے حامل فتوے کو پاکستان اور دوسرے ممالک کے اخبارات نے جلی سرخیوں میں شائع کیا اب کیا ہوا — فتویٰ آنے کے بعد حکومت پاکستان کے اگلے ماہ ۲۷ تاریخ کو ہوائی جہاز کے ذریعے اس بات کی تصدیق کرائی تو ہوا وہی جو کہ حق و صداقت کے علمبردار نے فرمایا تھا۔ بلندی پر جانے سے ۲۷ تاریخ کو چاند نظر آگیا — تب حکومتِ پاکستان نے آپ کے فتویٰ کو تسلیم کر لیا۔ اور "رویت ہلال کمیٹی" توڑ دی — نہ صرف یہ کہ حکومتِ پاکستان بلکہ دنیا بھر کے مفتیان کرام نے آپ کے علم و فضل کے سامنے اپنی گردنیں جھکا دیں۔ اب اس کے بعد جہاز کے ذریعے چاند دیکھنے کا سلسلہ منسوخ کر دیا گیا — ۱۸

آپ نے اپنی عمر شریف میں تقریباً پچاس ہزار — فتاوے صادر فرمائے — آپ کی فقاہت کو بڑے بڑے علماء نے تسلیم کیا اور آپ کی — "عبقری شخصیت" کا اعتراف کیا۔ چنانچہ شمس العلماء حضرت مولانا — شمس الدین جعفری جونپوری علیہ الرحمہ (م ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۱ء) فرماتے ہیں کہ —

"فقہ کا اتنا بڑا ماہر اس زمانے میں کوئی دوسرا نہیں ہے۔ میں ان (مفتی اعظم ہند) کی خدمت میں جب حاضر ہوتا ہوں تو سر جھکا کر بیٹھا رہتا ہوں اور خاموشی کے ساتھ ان کی باتیں سنتا ہوں — ان سے زیادہ بات کرنے کی ہمت نہیں پڑتی" — ۱۹

●

آپکی ذات والا صفات ایک عالم سے بڑھ کر فاضل اور فاضل سے بڑھ کر ولی کامل کے درجہ پر فائز تھی — آپکی ذات روحانی طاقت کا سرچشمہ تھی — آپکی غذا نہ ہونے کے برابر تھی — صبح و شام میں تھوڑا سا شوربہ نوشِ جان فرماتے —

پروانۂ امام اہلسنت حضرت علامہ قاری محمد مصلح الدین صدیقی علیہ الرحمۃ، حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے آخری ایامِ حیات میں بریلی شریف حاضر ہوئے کراچی واپسی پر فرمانے لگے کہ —

"دنیاوی نقطۂ نظر سے اس عمر میں ایک نحیف و نزار جسم جو ماکولات و مشروبات سے بے نیاز اور کام و دہن کی لذت سے ناآشنا ہو اس قابل نہیں ہوتا کہ حرکت کر سکے لیکن یہ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ آپکی زندہ کرامت اور روحانی طاقت کی بین دلیل ہے کہ آپ تین وقت کی نماز ظہر — عصر اور مغرب مسجد میں کھڑے ہو کر ادا فرماتے اور دیکھنے والے حیرت کیا کرتے — خاص کر اس وقت لوگوں کو بڑی حیرت ہوتی جب آپ اذان کی آواز سن کر اپنے پلنگ سے ایک دم کھڑے ہو جاتے — مسجد پیدل چل کر تشریف لیجاتے — کیونکہ لوگوں کو آپ کے گھر سے نکلنے کا وقت معلوم تھا لہذا مشتاقانِ دید ار گھر اور مسجد کے درمیان

آپ اپنے والد حضرت امام
احمد رضا محدث بریلوی
قدس سرہ، کی دعا اور
اپنے پیر و مرشد حضرت شاہ
ابو الحسین قدس سرہم کی
نوید تھے!

گلی میں آپ کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے جوق در جوق جمع ہو جایا کرتے ـــ [20]
بریلی شریف کے محلہ "سوداگران" میں ہندوؤں کی کافی تعداد میں آبادی ہے چنانچہ قاری صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ ـــ

"میں نے خود ہندوؤں کو ان (مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ) کے انتظار میں کھڑے دیکھا ـــ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے دیدار کی ایک جھلک پر ان کے سر عقیدت و احترام سے جھکے ہوئے دیکھے ـــ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ کا یہ معمول تھا کہ وضو مسجد میں فرمایا کرتے ـــ آپ کے وضو فرمانے کی ایک مخصوص جگہ تھی ـــ جس در میں تشریف فرما ہو کر آپ وضو فرماتے اس کا رخ گلی کی جانب تھا ـــ لوگ گلی میں آپ کے سامنے جمع ہو جاتے اور جوں جوں وضو کا پانی گرتا لوگ بڑھ بڑھ کر اسے اپنے ہاتھوں میں لیتے ـــ اپنے منہ پر ملتے ـــ کوئی جسم پر ملتا ـــ اور کوئی جسم پر چھڑک لیتا" ـــ [21]

•

تاجدار اہلسنت حضور مفتی اعظم ہند قدس سرہٗ نے اپنی زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ سفر میں گزارا ـــ آپ ہندوستان کے گوشے گوشے میں دین متین کی تبلیغ کیلئے جاتے ـــ آخری ایام حیات میں بھی آپ باوجود کمزوری سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے ہر دعوت دینے والے کی دلجوئی کی خاطر دعوت میں شریک ہوتے ـــ آپ کا زیادہ تر سفر میں رہنے کا ایک مقصد یہ بھی ہوتا کہ آپ کی ذات والا صفات سے زیادہ سے زیادہ لوگ فیضیاب ہو سکیں اور دوسری بات یہ کہ آپ خود بنفس نفیس وطن، عزیز و اقارب ـــ اور اہل و عیال سے دور رہ کر جدائی کی تلخیوں کو سہیں اور صبر کریں آپ نے اپنے آرام سے زیادہ خدمت دین اور دین کی تبلیغ کے فرائض کو مقدم جانا ـــ [22] آپ دین کی تبلیغ اور تشنگان علم کی سیرابی کے لئے پاکستان آنے کا ارادہ رکھتے تھے مگر چونکہ آپ اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر تھے اور جانشین تھے ـــ پابند شریعت و سنت تھے ـــ اس وجہ سے حکومت وقت کے پاسپورٹ و ویزہ پر تصویر لگانے کے قانون کی وجہ سے دورہ پاکستان ترک فرما دیا ـــ پاکستان میں آپ کے مریدین و خلفاء اور تلامذہ کی خاصی تعداد ہے۔

•

آپ نے تین مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی، مگر کبھی تصویر نہ بنوائی بلکہ ہر دفعہ بغیر تصویر کے پاسپورٹ سے حج پر تشریف لے گئے ـــ تیسری مرتبہ حج پر تشریف لیجاتے میں حکومت کی جانب سے تصویر لگانے کا قانون لازمی ہو گیا تھا، جب آپ سے تصویر کے لئے کہا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ـــ

"مجھ پر جو حج فرض تھا وہ میں نے کر لیا اب نفل حج کے لئے اتنا بڑا ناجائز کام کر کے دربار مصطفوی ﷺ میں کیسے حاضر ہو سکتا ہوں میں تصویر ہرگز نہیں کھنچواؤں گا ـــ جب اس سے قبل گیا تھا اسوقت تصویر کی پابندی نہیں تھی، بڑے افسوس کی بات ہے جس رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت مطہرہ میں تصویر کھنچوانا 'رکھنا' بنانا سب حرام ہے ـــ میں اس رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تصویر کھنچوا کر جاؤں ـــ؟ یہ مجھ سے نہیں ہو گا ـــ [23]

بعد میں حکومت ہند اور سعودیہ عربیہ نے آپکو نہ صرف خصوصی اجازت دی بلکہ ہندوستانی سفارتخانے کے افسران نے جدہ میں آپ کا شاندار استقبال کیا اور ـــ آپکے اعزاز میں ایک پروقار ظہرانہ بھی دیا ـــ اسی روز حضرت امام احمد رضا خان قدس سرہٗ کے مدنی خلیفہ، شیخ عرب و عجم حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمۃ بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ آپ کے استقبال کیلئے "مدینہ منورہ" سے "جدہ" پہنچے ـــ آپ کا یہ شاندار استقبال صرف اسلئے تھا کہ آپ ایک سچے عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور پابند شریعت و سنت تھے اور آپ کو یہ دولت اپنے والد ماجد سے ورثے میں ملی تھی ـــ جب آپ دیار حبیب، مریضوں کے طبیب ـــ پیارے شہر نور ـــ شہر سرور ـــ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو برہنہ پا اور پیدل تھے ـــ آنکھوں سے آنسو موتیوں کی لڑی کی مانند گر رہے تھے اور جسم پر رقت طاری تھی ـــ [24]

ع ہاں ہاں رہ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے یہ جا چشم و سر کی ہے

ع اللہ اکبر اپنے قدم اور یہ خاک پاک
حسرت ملائکہ کو جہاں وضع سر کی ہے

ع عاصی بھی ہیں چہیتے یہ طیبہ ہے زاہدو!
مکہ نہیں کہ جانچ جہاں خیر و شر کی ہے

•

بڑا پر کیف و ایمان افروز منظر تھا ـــ

آپ عشق رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار نعتیں بھی کہا کرتے تھے ـــ نعتیں کیا یہ آپ کے دل کی آواز ہوا کرتی تھی جو کہ آپ اشعار کی صورت میں رقم فرمایا کرتے تھے ـــ آپ کا نعتیہ دیوان "سامان بخشش" پڑھنے، سننے اور سمجھنے سے تعلق رکھتا ہے ـــ ایک ایک شعر سے گویا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ٹپکا پڑتا ہے ـــ راقم

•

ایک اندازے کے مطابق آپ کے مریدین کی تعداد تقریباً ایک کروڑ سے بھی متجاوز ہے جو کہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں اور ملک و بیرون ملک (پاک و ہند و دیگر ممالک) خلفاء کی تعداد اتنی بڑھی کہ بڑے بڑے مشائخ و پیروں کے مریدوں کی نہیں ـــ [25]

آپ نے وصال شریف سے تقریباً چار گھنٹے قبل بعد از نماز عشاء فرمایا تھا کہ ـــ

"میں اپنے مریدوں کو سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں ـــ میں نے اپنے تمام مریدوں کو بارگاہ غوثیہ میں دیا ـــ اور ان تمام معتقدین کو مرید کیا جو مجھ سے مرید ہونا چاہتے تھے ـــ [26]

•

دن آ رہے ہیں، جا رہے ہیں ـــ راتیں آ رہی ہیں ـــ جا رہی ہیں ـــ ہفتے گزرے ـــ مہینے گزرے ـــ سال گزر رہے ہیں ـــ ۱۴۰۲ سنہ ھ ہے ـــ ۱۲ محرم الحرام ہے ـــ ۱۰ نومبر ہے ـــ ۱۹۸۱ سنہ ء ہے ـــ دنیائے اسلام کے محسن تاجدار اہلسنت، مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ گویا ہوتے ہیں ـــ

"جس جس نے مجھ سے دعا کرنے کیلئے کہا تھا میں ان سب کے جائز مقاصد کے پورے ہونے کے لئے دعا کرتا ہوں ـــ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے" آمین ـــ [27]

پھر دریافت فرمایا "آج کونسا دن ہے ۔؟"
حاضرین نے عرض کی ــــ "حضور آج منگل کا دن ہے اور محرم کی ۱۲ر تاریخ ہے" ــــ جواب سن کر خاموش رہے ــــ
ــــ ایک دن اور گذر گیا ــــ
آج بدھ ہے ــــ ۱۳ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ ــــ گیارہ نومبر ۱۹۸۱ء ــــ خاندان کے افراد اور چند خاص مریدین و معتقدین، حاضرِ خدمت ہیں ــــ صبح کے دس بجے ہیں ــــ دریافت فرمایا ــــ آج کون سا دن ہے ــــ؟
عرض کی گئی ــ حضرت آج چہار شنبہ اور محرم کی ۱۳ر تاریخ ہے ــــ فرمایا ــ نماز "نو محلہ مسجد" میں ہوگی ــــ حاضرین اس کا مطلب نہ جان سکے مگر ادباً کوئی سوال نہیں کرتا ــــ کچھ دیر بعد پھر فرمایا ــ "کیا کسی نے نماز کے لیے کہدیا ہے؟" "جمعہ کی نماز نو محلہ میں پڑھونگا" کچھ دیر بعد وقفہ فرما کر پھر فرمایا، "کیا کسی نے فاتحہ کیلئے کہا ــــ؟" حاضرین ایکدوسرے کا منہ تکنے لگے پر خاموش رہے ــــ ایک دن اور گذر گیا ــــ ۱۴ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ ــــ ۱۲ر نومبر ۱۹۸۱ء ــــ شبِ جمعرات ــــ رات کا تقریباً ایک بجا ہے ۔ گھر والوں کو وصیت فرمائی کہ ــــ سنتِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اسی میں دین اور دنیا کی بھلائی ہے ــ سنتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے انحراف نہ کرنا ــ "حسبنا اللہ و نعم الوکیل" ــ ہر مصیبت کے وقت پڑھا کرنا" ــــ
رات کا ایک بجا تھا اور مزید چالیس منٹ زائد ہوگئے یعنی ایک بجکر ۴۰ منٹ ــــ سورۃ ملک شریف اور آیۃ الکرسی تلاوت فرمائی پھر کلمہ شریف پڑھتے پڑھتے دنیائے اسلام کا یہ عظیم انسان جس نے اپنی ناموس کو ناموسِ اسلام اور ناموسِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر قربان کر دیا ــــ ہاں یہ عظیم انسان فریضۂ تبلیغِ دین ادا فرمانے کے بعد اپنے رب کے حضور حاضر ہو گیا ــــ [۲۸]
اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ط
چاند کی چودہ تاریخ تھی ــــ آسمان پر چودھویں کا چاند جلوہ ریزی کر دہا تھا مگر ــــ آہ!
علم و فضل کا چاند ــــ عقیدت و محبت کا چاند ــــ ولایت کا چاند، ــــ کرامت کا چاند ــــ سنیت کا چاند ــــ آستانِ رضا کا چاند ــــ نوریوں کا چاند ــــ قادریوں کا چاند ماہِ تاباں چھپ گیا ــــ مگر
مگر نہیں نہیں!
اے نوریو! ــــ اے قادریوں ــــ
اے رضویوں ــــ اے سنیوں! ــــ اے شمعِ رسالت کے پروانوں! ــــ اے غلامانِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ــــ اے سگانِ طیبہ ــــ
اے سگانِ جیلاں ــــ اے سگانِ بریلی ــــ!
خبردار ــــ!

؎ ان کی رحلت کو نہ سمجھو اختتامِ زندگی
ہے یہ شامِ زندگی صبحِ دوامِ زندگی [۲۹]

کیونکہ

؎ جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے [۳۰]

●

## حواشی و حوالے

۱۔ "سامان بخشش" مطبوعہ سکھر ۱۹۷۹ء، ص ۳
۲۔ "منقبت" از مولانا سلطان اشرف بہیروی، بحوالہ مفتی اعظم ہند، مطبوعہ بریلی ص ۴۳
۳ (الف)۔ مولانا عبدالنعیم عزیزی بلرامپوری، مفتی اعظم ہند، مطبوعہ بریلی شریف، ص ۳۰
(ب) اقبال احمد قادری اختری، شاہ مصطفیٰ رضا خان قادری، مطبوعہ روزنامہ "جنگ" کراچی، شمارہ ۱۱ر اگست ۱۹۸۹ء، ص VIII
(ج) مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی، تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، مطبوعہ بنارس (انڈیا) ص ۵۰۲
۴۔ مولانا عبدالنعیم عزیزی بلرامپوری (مفتی اعظم ہند، مطبوعہ بریلی شریف ص ۳۹
۵۔ منقبت از جانشین مفتی اعظم ہند مفتی اختر رضا خان الازہری مدظلہٗ، بحوالہ مفتی اعظم ہند مطبوعہ بریلی شریف ص ۲۲
۶۔ مولانا عبدالنعیم عزیزی بلرامپوری، مفتی اعظم ہند مطبوعہ بریلی شریف (ضمیمہ) ص ۱۲
۷۔ سید ریاست علی قادری، معارف رضا ۱۹۸۲ء، مطبوعہ کراچی، ص ۲۱۸
۸۔ ایضاً ص ۲۱۸
۹۔ عبدالنعیم عزیزی بلرامپوری، مفتی اعظم ہند مطبوعہ بریلی شریف (ضمیمہ) ص ۱۴
۱۰۔ سید ریاست علی قادری، معارف رضا ۱۹۸۲ء، مطبوعہ کراچی ص ۲۱۹
۱۱۔ ایضاً ص ۲۱۹
۱۲۔ عبدالنعیم عزیزی بلرامپوری (علیگ) مفتی اعظم ہند، مطبوعہ بریلی شریف ص ۳۶
۱۳۔ ایضاً (ضمیمہ) ص ۷
۱۴۔ اقبال احمد قادری اختری، مفتی اعظم ہند مطبوعہ روزنامہ جنگ کراچی شمارہ ۹ ستمبر ۱۹۸۶ء، ص VIII
۱۵۔ عبدالنعیم عزیزی (علیگ) مفتی اعظم ہند مطبوعہ بریلی شریف ص ۱۱۱
۱۶۔ سید ریاست علی قادری، معارف رضا ۱۹۸۲ء، مطبوعہ کراچی ص ۲۲۰
۱۷۔ ایضاً ص ۲۲۰
۱۸۔ ایضاً ص ۲۲۰
۱۹۔ ماہنامہ "استقامت" کانپور (مفتی اعظم ہند نمبر) ص ۵۵، بحوالہ تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ
۲۰۔ اقبال احمد قادری اختری، مفتی اعظم ہند مطبوعہ روزنامہ جنگ کراچی شمارہ ۹ ستمبر ۱۹۸۸ء ص VIII
۲۱۔ ایضاً ص VIII
۲۲۔ سید ریاست علی قادری، معارف رضا ۱۹۸۲ء، مطبوعہ کراچی ص ۲۲۰
۲۳۔ (الف) راز الہ آبادی کرامات مفتی اعظم ہند، مطبوعہ سکھر ص ۶۸
(ب) اقبال احمد قادری اختری، امام احمد رضا وادی مہران میں قلمی، ص ۹
۲۴۔ اقبال احمد قادری اختری، شاہ مصطفیٰ رضا خان قادری، مطبوعہ روزنامہ جنگ کراچی شمارہ ۱۱ر اگست ۱۹۸۹ء، ص VIII
۲۵۔ عبدالنعیم عزیزی بلرامپوری (علیگ) مفتی اعظم ہند مطبوعہ بریلی شریف ضمیمہ ص ۱۴
۲۶۔ سید ریاست علی قادری، معارف رضا ۱۹۸۲ء، مطبوعہ کراچی ص ۲۲۴
۲۷۔ عبدالنعیم عزیزی (علیگ) مفتی اعظم ہند مطبوعہ بریلی شریف ص ۱۷
۲۸۔ اقبال احمد قادری اختری، شاہ مصطفیٰ رضا خان قادری، مطبوعہ روزنامہ جنگ کراچی شمارہ ۱۱ر اگست ۱۹۸۹ء ص VIII
۲۹۔ از مولانا سلطان اشرف بہیروی، بحوالہ مفتی اعظم ہند (ضمیمہ) مطبوعہ بریلی شریف ص ۲۲
۳۰۔ بحوالہ، پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم مطبوعہ لاہور ص ۱۵

# پاکستان کی سب سے بڑی درسگاہ

# جامعہ کراچی

رپورٹ، پروفیسر جلال نوری

جامعہ کراچی پاکستان کی سب سے بڑی جامعہ ہے ۱۲۰۰ ایکڑ پر پھیلی ہوئی اس درسگاہ میں خوبصورت عمارتیں سبزہ زار اور کھیل کے میدان ہیں۔ مگر اس کی رونق ان ہزاروں طلبا اور تقریباً ۴۵۰ اساتذہ کے دم سے قائم ہے جو یہاں تدریس و تحقیق میں ہمہ وقت مصروف رہتے ہیں طلبہ کی اس بڑی تعداد میں تقریباً دس فیصد غیر ملکی ہیں جو دنیا کے ۲۲ ممالک کی نمائندگی کرتے ہیں۔

جامعہ کراچی نے ترقی کے مراحل بتدریج طے کئے ہیں پاکستان کی مرکزی حکومت نے ستمبر ۱۹۵۰ء میں کراچی یونیورسٹی بل اسمبلی میں پیش کیا تھا جو منظوری کے بعد ایکٹ بن گیا۔ اس ایکٹ کی رو سے ۱۹۵۰ء میں جامعہ کراچی کا قیام عمل میں آیا ابتدائی ایام میں جامعہ شہر کے گنجان علاقے میں واقع تھی مگر ۱۹۶۰ء میں یہ اپنے موجودہ کیمپس میں منتقل ہو گئی اور اس وقت سے اس کی ترقی اور توسیع کا ایک نیا دور شروع ہوا جو آج بھی جاری ہے۔

اس وقت اس جامعہ کے کیمپس پر کلیہ فنون (فیکلٹی آف آرٹس) کلیہ علوم (فیکلٹی آف سائنس)، کلیہ معارف اسلامیہ، کلیہ کاروباری نظم و تجارت' (فیکلٹی آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ کامرس اور کلیہ علم الادویہ (فیکلٹی آف فارمیسی) کے تحت تدریس و تحقیق جاری ہے۔ کلیہ طب کلیہ تعلیم اور کلیہ قانون کے تحت تدریس و تحقیق ملحقہ کالجوں میں ہوتی ہے۔

## تدریس

جامعہ کے مختلف شعبوں میں بی۔ اے (آنرز) بی ایس سی (آنرز) ایم اے' ایم۔ ایس سی' ایم' ایل' آئی' ایس بی ایل آئی ایس' بی بی' اے' ایم۔ بی اے' ایم کام' بی فارم' ایم بی اے' ایم فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی اسناد کے علاوہ مختلف سرٹیفکیٹ اور ڈپلوما کورسز کی تدریس کا بھی انتظام ہے۔ اس وقت جو شعبے اور ادارے قائم ہیں ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

### الف۔ کلیہ فنون (فیکلٹی آف آرٹس)

عربی اور فارسی' اردو انگریزی' سندھی' بنگالی معاشیات' سیاسیات (پولیٹیکل سائنس) بین الاقوامی تعلقات (انٹرنیشنل ریلیشنز)' عمرانیات (سوشیالوجی) بہبود (سوشل ورک) تاریخ اسلام' تاریخ عام' فلسفہ' نفسیات (سائیکالوجی) کتاب داری اور اطلاعیات (لائبریری اینڈ انفارمیشن سائنس) ابلاغ عامہ (ماس کمیونیکیشن) تعلیم (ایجوکیشن)، ایم۔ بی۔ اے۔

ادارہ مطالعہ یورپ' ادارہ مطالعہ پاکستان' ادارہ طبی نفسیات' اطلاقی نفسیاتی تحقیقی مرکز اور مرکز مطالعہ آبادی وغیرہ۔

### ب۔ کلیہ علوم (فیکلٹی آف سائنس)

طبیعات (فزکس)' اطلاقی طبیعات (اپلائیڈ فزکس) کیمیاء (کیمسٹری) اطلاقی کیمیاء (اپلائیڈ کیمسٹری اور کیمیکل ٹیکنالوجی)، ریاضی (میتھمیٹکس) شماریات (اسٹیٹسٹکس) ارضیات (جیالوجی) نباتیات (بوٹنی) حیوانیات (زولوجی) فعلیات (فزیالوجی) جینیات (جینیٹکس)' حیاتیاتی کیمیا (بائیو کیمسٹری)، خورد حیاتیات (مائیکرو بائیولوجی)، جغرافیہ (جیوگرافی)' بحری علوم (میرین سائنسز)، کمپوٹر سائنس۔

ادارہ بحری حیاتیات (انسٹیٹیوٹ آف میرین بائیولاجی) ابراہیم جمال' تحقیقی ادارہ کیمیا (ایچ ای جے ریسرچ انسٹی ٹیوٹ آف کیمسٹری)، افضال حسین قادری تحقیقی مرکز برائے حیاتیات (افضال حسین قادری بائیولاجیکل ریسرچ سینٹر) ادارہ برائے ماحولی تحقیقات (انسٹی ٹیوٹ آف انوائرنمنٹل اسٹڈیز)

### ج۔ کلیہ کاروباری نظم و تجارت (فیکلٹی آف بزنس ایڈمنسٹریشن و کامرس)، شعبہ تجارت ادارہ کاروباری تنظیمات (انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن)

### د۔ کلیہ علم الادویہ (فیکلٹی آف فارمیسی)

خواص الادویہ (فارماکولوجی) ادویاتی کیمیا (فارماسیوٹیکل کیمسٹری)' ادویہ شناسی (فارماکوگنوسی) ادویہ سازی (فارماسیوٹکس)

### ﮦ۔ کلیہ معارف اسلامیہ (فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز)

شعبہ علوم اسلامی مدت نصاب۔

جامعہ کے تدریسی شعبوں میں آنرز کی مدت نصاب تین سال اور ایم اے۔ ایم۔ ایس۔ سی۔ ایم کام ایم فارم کے دو سالہ نصاب کی تدریس کا انتظام ہے بی اے پاس (بی ایس سی (پاس) اور بی۔ کام کے بعد ایم۔ اے ایم ایس سی اور ایم کام کا دو سالہ نصاب پڑھنا پڑتا ہے لیکن آنرز کی ڈگری کے بعد ایم اے ایم ایس سی وغیرہ کا نصاب ایک سال کا ہوتا ہے ایم فارم کا نصاب بی فارم کے چار سالہ نصاب کے بعد دو سال کا ہوتا ہے بی ایل آئی ایس کے ایک سالہ نصاب کے بعد ایم ایل آئی ایس کا نصاب ایک سال کا ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ادارہ مطالعہ یورپ میں یورپی زبانوں، شعبہ عربی میں عربی شعبہ فارسی میں فارسی، شعبہ تاریخ عام کے تحت ہندی، شعبہ بنگالی میں بنگلہ کے سرٹیفیکیٹ کورس کی تدریس کا انتظام ہے شعبہ اردو میں غیر ملکی طلبہ کے لئے اردو کا خصوصی نصاب بھی پڑھایا جاتا ہے۔

## دیگر سہولتیں

جامعہ کراچی میں طلبہ و طالبات کی رہائش کے لیے ہاسٹل موجود ہیں جہاں رہائش کی عمدہ سہولتیں مہیا ہیں۔ مگر نشستیں محدود ہونے کی وجہ سے ہر امیدوار کو ہاسٹل میں داخلہ کا استحقاق نہیں ہے۔ ہاسٹل میں داخلے کے لیے علیحدہ قواعد و ضوابط موجود ہیں جن کی پابندی کرتے ہوئے ہاسٹل میں داخلے کا فارم پر کیا جانا چاہیے۔ داخلے کا فارم اور قواعد و ضوابط پرووسٹ کے دفتر سے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

طلبہ کی غیر نصابی سرگرمیوں کو فروغ دینے کی غرض سے کھیلوں کے میدان، جمنازیم، اساتذہ طلبہ مرکز اور کلیاتی سماعت گاہیں موجود ہیں۔ مختلف نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں میں طلبہ کی راہنمائی کے لیے مشیر امور طلبہ اور مشیر امور غیر ملکی طلبہ کے دفاتر موجود ہیں جن میں جامعہ کے اساتذہ طلبہ کی رہنمائی کے لیے موجود رہتے ہیں کھیلوں سے متعلق معاملات ڈائریکٹر آف اسپورٹس کے زیر نگرانی ہیں کرکٹ، ہاکی، فٹ بال اور ایتھلیٹکس کے لیے میدان اور ٹینس، اسکواش اور بیڈمنٹن کے لیے کورٹس موجود ہیں۔

یوں تو جامعہ کراچی کے کیمپس میں کئی مساجد موجود ہیں لیکن مرکزی جامع مسجد شہر کی خوبصورت ترین مساجد میں شمار ہوتی ہے۔ یہ امیر دبئی عزت مآب شیخ راشد بن سعید المکتوم کا عطیہ ہے۔ علاوہ ازیں عزت مآب شیخ زید بن سلطان النہیان (وقف) کی تعمیر کردہ عالی شان عمارت میں اسلامی علوم کی تدریس و تحقیق کا مرکز قائم ہے۔

طلبہ کو شہر سے لانے اور لے جانے کے لیے جامعہ کی اپنی بسوں کا ایک مختصر سا بیڑا (فلیٹ) موجود ہے لیکن اس سلسلے میں کراچی روڈ ٹرانسپورٹ پر زیادہ انحصار کیا جاتا ہے چنانچہ مقررہ اوقات میں شہر کے مختلف علاقوں سے بسیں طلبہ و طالبات کو جامعہ لاتی اور لے جاتی ہیں۔

## تدریس کا انتظام

جامعہ کراچی میں سمسٹر نظام نافذ ہے ایک تعلیمی سال دو سمسٹروں پر مشتمل ہے ہر سمسٹر کا دورانیہ ۱۸ ہفتہ کا ہوتا ہے ایک طالب علم کو ہر سمسٹر میں مجموعی طور پر ۱۵ کریڈٹ آورس مکمل کرنے ہوتے ہیں۔ بجز فارمیسی کے جس میں ایک سمسٹر میں مجموعی طور پر ۲۰ کریڈٹ آورس مکمل کرنے ہوتے ہیں۔ بی۔ اے، بی ایس سی آنرز کی ڈگری کے لیے ۹۰ کریڈٹ اور اسی طرح ایم اے، ایم ایس سی کی ڈگری کے لیے ۶۰ کریڈٹ کے لیے ۳۰ کریڈٹ درکار ہوتے ہیں۔

آورس مکمل کرنے لازمی ہیں۔ بی۔ اے، بی ایس سی کے بعد ایم اے، ایم ایس سی کے لیے ۶۰ کریڈٹ آورس درکار ہوتے ہیں۔

آنرز کے طالب علم کو خاص مضمون کے علاوہ دو ذیلی مضامین اور چار لازمی مضامین (اردو، سندھی اور جنرل سائنس میں سے کوئی ایک اور انگریزی، اسلامیات/مطالعہ پاکستان) لازماً پڑھنے پڑتے ہیں ایم اے، ایم ایس سی کے طلبہ ہر سمسٹر میں متعلقہ مضمون کے پانچ نصاب (کورسز) پڑھتے ہیں۔

سمسٹر کے ہر کورس میں ایک مڈ ٹرم، ایک ٹرمینل اور ایک پریکٹیکل/فیلڈ ورک کے امتحانات ہوتے ہیں جن کی تفصیل سمسٹر قواعد کے کتابچے میں درج ہیں داخلے کے لیے منتخب کردہ تمام امیدواروں کو سمسٹر قواعد جاننا انتہائی ضروری ہے ایم اے، ایم ایس سی کے طالب علم کورسوں کی جگہ تحقیقی منصوبہ (پراجیکٹ) یا مقالہ (تھیسس) بھی لے سکتے ہیں۔

## حاضری

جامعہ کے ضابطے کے مطابق ہر طالب علم کے لیے لازمی ہے کہ وہ ہر کورس میں کم از کم ۷۵ فیصد حاضری رکھتا ہو۔ اس کے بغیر امتحان میں شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی ہے۔

## داخلہ پالیسی

۱۔ جامعہ کراچی میں داخلے اکیڈمک کونسل کی منظور شدہ پالیسی کے مطابق صرف اہلیت کی بنیاد پر دیے جاتے ہیں مخصوص نشستوں کے داخلے اس سے مستثنیٰ ہیں۔

۲۔ تھرڈ ڈویژن میں انٹرمیڈیٹ یا بی اے، بی ایس سی، بی کام پاس کرنے والے طلبہ و طالبات جامعہ میں داخلے کے اہل نہیں ہیں۔

۳۔ ہر شعبہ/ ادارہ (انسٹی ٹیوٹ) میں نشستوں (سیٹوں) کی تعداد مقرر ہے۔

## داخلہ لینے کا طریقہ

۱۔ جامعہ میں داخلے شروع ہونے کی تاریخ کا اخبارات کے ذریعے اعلان کر دیا جاتا ہے

۲۔ داخلوں کا فارم نیشنل بینک آف پاکستان اور یونائیٹڈ بینک جامعہ کراچی کی شاخوں سے حاصل کیے جاسکتے ہیں فارم کے ساتھ ملنے والے ضروری معلومات پر مشتمل اس ہدایت نامہ کو غور سے پڑھیے۔

۳۔ داخلہ فارم کے ساتھ منسلکہ چیک لسٹ فارم کا پر کرنا نہایت ضروری ہے۔ چیک لسٹ فارم کے ساتھ مارکس سرٹیفکیٹ کی ایک مصدقہ نقل منسلک کرنا ضروری ہے۔ واضح رہے کہ یہ فارم صرف اسی شعبے میں داخل کیا جائے گا جو آپ کی ترجیح میں سرفہرست ہو۔

۴۔ بی اے (آنرز)، بی ایس سی (آنرز) اور بی فارم کے داخلہ فارم کے ساتھ انٹر آرٹس/انٹر سائنس کے سال اول اور سال دوم کے مارکس سرٹیفکیٹ کی نقول داخل کرنا ضروری ہیں۔ ایم اے، ایم ایس سی، ایم کام کے داخلوں کے لیے بی اے، بی ایس سی، ایم بی اے، بی کام، بی ایس سی ہوم اکنامکس کے سال اول و دوم کے مارکس سرٹیفکیٹ کی نقول جمع کرانا ضروری ہیں۔

۵۔ اگر این سی سی کی تربیت مکمل کی ہے تو اس کی سند کی ایک نقل بھی منسلک کرنا چاہیے واضح رہے کہ این سی سی کے نمبر دینے سے درجہ (ڈویژن) تبدیل نہیں ہوتا۔

۶۔ داخلہ فارم مکمل کر کے متعلقہ شعبہ کے دفتر میں مقررہ تاریخ کے اندر جمع کرانا اور وہاں سے اس کی باقاعدہ رسید حاصل کرنا ضروری ہے امیدوار کا ذاتی طور پر فارم جمع کرانا اور اس کی رسید حاصل کرنا اپنے مفاد میں ہے۔ کئی شعبوں میں داخلے کا فارم جمع کرانے کی صورت میں ہر شعبہ سے رسید ضرور حاصل کر لی جائے رسید نہ ہونے کی صورت میں یا داخلہ فارم متعلقہ شعبے کے علاوہ کہیں اور جمع کرانے کی صورت میں جامعہ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

۷۔ اگر آپ مخصوص نشستوں (کوٹہ) پر داخلے کے امیدوار ہیں مثلاً یونیورسٹی اور کالجوں کے اساتذہ کے متعلقین، غیر ملکی طلبا، ڈیفنس اور کھیل کود وغیرہ، تو اس قسم کے تمام داخلوں کے فارم متعلقہ سرکاری دفتروں کے توسط سے براہ راست رجسٹرار کے دفتر میں جمع کر کے اس کی رسید حاصل کر لیجیے کوٹہ نشست کے داخلہ فارم شعبوں میں وصول نہیں کیے جائیں گے۔

۸۔ داخلے کے کامیاب امیدواروں کی فہرست اہلیت (میرٹ) کی بنیاد پر تیار کی جاتی ہے جب آپ کا نام داخلے کے کامیاب امیدواروں کی فہرست میں آجائے تو اپنے پچھلے امتحانوں کے اصل (اوریجنل) اسناد و نشانات (مارکس سرٹیفکیٹ) وغیرہ صدر شعبہ کے پاس جمع کرا دیں اور ان کی زیر نگرانی اپنے داخلے کی کارروائی مکمل کرلیں۔

۹۔ صدر شعبہ آپ کی جمع کی ہوئی دستاویزات کے بارے میں اپنی تسلی کر کے آپ کو فیس جمع کرانے کا واؤچر اپنے دستخط کر کے دیں گے۔ اب آپ مقررہ وقت کے اندر اندر فیس

[illegible] میں جمع کرا دیں۔ واضح رہے کہ اگر فیس مقررہ وقت میں
[illegible] نہیں کی جائے گی تو آپ کے داخلہ کا استحقاق از خود ختم
ہو جائے گا۔ اور آپ کی جگہ (سیٹ) انتظاری فہرست
(ویٹنگ لسٹ) پر دوسرے حقدار امیدوار کو دیدی جائیگی۔
[illegible]۔ فیس جمع کرانے کی بعد فیس کی رسید کی فوٹو کاپی
(فیس واؤچر کا ایک حصہ جس پر بینک کی مہر ہوتی ہے)
شعبہ میں جمع کرادی جائے۔ اس رسید کی بنیاد پر آپ کا
نام شعبہ میں رجسٹر ہو جائے گا۔ اور آپ کو رجسٹریشن نمبر
مل جائیگا۔

[illegible]۔ رجسٹریشن کے وقت ہی صدر شعبہ اپنی نگرانی میں
آپ سے انرولمنٹ فارم بھروائیں گے۔ واضح رہے کہ
جامعہ کے قوانین کے تحت جب تک طالب علم کو انرولمنٹ
کارڈ نہ ملے اس کا داخلہ مکمل اور حتمی نہیں ہوتا۔ انرولمنٹ
کا عمل چھ ہفتے کے اندر اندر مکمل ہو جانا چاہیئے۔

## ایک شعبے سے دوسرے شعبے میں داخلے کی منتقلی کا طریقہ کار

۱۔ داخلوں کی منتقلی (ٹرانسفر) کا حق صرف
اہلیت کی بنیاد پر داخلہ پانے والوں کے لئے ہے مخصوص
نشستوں (کوٹہ) پر داخلہ پانے والے امیدواروں کا
ٹرانسفر نہیں کیا جائے گا۔

۲۔ اگر کسی طالب علم کو اہلیت کی بنیاد پر ایک شعبہ میں
داخلہ مل گیا ہے لیکن بعد میں اس کا نام اس کی پسند کے کسی
دوسرے شعبے کی داخلہ فہرست میں اہلیت کی بنیاد پر آگیا
ہے تو وہ شعبے کی تبدیلی کا مجوزہ فارم رجسٹرار/متعلقہ ڈین کے
دفتر سے حاصل کر کے پہلے اس شعبے کے صدر سے دستخط
کرائے جہاں اس کا داخلہ ہو چکا ہے، بعد میں اس شعبے کے
صدر سے دستخط کرائے۔ جہاں اہلیت کی بنیاد پر داخلہ
فہرست میں اس کا نام بعد میں آیا ہے بعد ازاں دونوں
صدور کا دستخط شدہ فارم متعلقہ ڈین کے دفتر میں جمع کرادیا
جائے جہاں ضابطے کے مطابق متعلقہ ڈین شعبے کی تبدیلی
کا نوٹس جاری کریں گے اور اس کی اطلاع رجسٹرار
(شعبہ داخلہ) کمیٹی اور متعلقہ شعبوں کے صدور کو بھیجیں
[illegible] کی ادائی کے بعد [illegible] کے بعد طالب علم کو اپنی
[illegible] سرٹیفکیٹ اور داخلے کے دیگر دستاویزات اپنے
[illegible] شعبے کی تبدیلی مقررہ وقت
[illegible] ہو سکتی ہے۔
[illegible] دستاویزات جمع

۱۔ پچھلے امتحان کے اصل (اوریجنل) اسناد نشانات
(مارکس سرٹیفکٹ)
۲۔ پچھلے تعلیمی ادارہ کے سربراہ کسی گزیٹیڈ افسر کا دیا ہوا
نیک چلنی کا سرٹیفکیٹ)
۳۔ قومی شناختی کارڈ کی عکسی نقل (فوٹو کاپی) اس
کے ساتھ قومی شناختی کارڈ (اصل) پیش کرنا ضروری
ہے جو صدر شعبہ واپس کردیں گے۔
۴۔ میٹرک / ایچ ایس سی کی اصل سند اور اس کی
تصدیق شدہ نقل۔ اصل واپس کردی جائیگی۔
۵۔ والدین / سرپرست کا اقرارنامہ یہ آپ کو انرولمنٹ
فارم کے ساتھ صدر شعبہ سے ملے گا۔
۶۔ فوٹو پاسپورٹ سائز (۳ عدد)
۷۔ اگر آپ نے کراچی بورڈ / یونیورسٹی کے علاوہ کسی
اور ادارے سے پچھلا امتحان پاس کیاہے تو اس
ادارہ کا جاری کردہ مائگریشن سرٹیفکیٹ۔

**ڈسپلن کمیٹی** | ہمارے دین، ہماری تاریخ
اور ہماری ثقافت میں حصول علم کی بڑی اہمیت
ہے حصول علم کے لئے نظم وضبط نہایت ضروری ہے طلبہ
کو انفرادی اور اجتماعی معاشرتی خرابیوں اور دیگر اخلاقی
برائیوں اور بے راہ روی سے محفوظ رکھنے کے لئے جامعہ
کراچی میں ایک ڈسپلن کمیٹی قائم ہے جسے غیر اخلاقی اور غیر
قانونی کارروائیوں پر محاسبے کا قانونی اختیار حاصل ہے۔

**قارئین کرام** | ماضی میں اس جامعہ کو جن مقتدر
اہل علم کی سرپرستی حاصل رہی ان میں مبلغ اسلام حضرت
مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقیؒ، مولانا مناظر حسن گیلانی
مولانا حسن جارچوی سابق وائس چانسلرز اے بی حلیم
(مرحوم)، ڈاکٹر محمود حسین (مرحوم)، پروفیسر ڈاکٹر منظور الدین
احمد جو عالم اسلام اور دنیائے یورپ میں ایک ممتاز ماہر
سیاسیات میں شمار کئے جاتے ہیں موصوف نے پاکستان
کے علاوہ کئی غیر ملکی یونیورسٹیز بالخصوص کولمبیا یونیورسٹی
(امریکہ) میں علم سیاسیات کے موضوع پر سیکڑوں مقالے
پڑھے جو امریکہ اور پاکستان کے درمیان علمی و ثقافتی
اور تاریخی تعلقات میں اضافے کا سبب بنے حال ہی میں
آپ کی ایک کتاب
(ISLAMIC POLITICAL, SYSTEM
IN THE MODERN, AGE)
عربی زبان میں ترجمہ ہو کر قاہرہ/مصر سے شائع ہو چکی ہے
علاوہ ازیں پروفیسر ڈاکٹر منظور الدین احمد نے جامعہ کی

ترقی فلاح و بہبود (بالخصوص اساتذہ کے علمی و معاشی
فروغ کے لئے نمایاں خدمات انجام دیئے ہیں بالخصوص انہوں
نے جامعہ کراچی کو سخت مالی بحران سے بچانے میں نمایاں
کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔

**قارئین کرام** | اسی طرح حقیقت سے انکار ممکن
نہیں کہ ملکی سیاسیات نے جہاں پورے ملک کے تعلیمی
نظام کو متاثر کیا ہے وہاں کراچی کا تعلیمی نظام بالکل درہم
برہم ہو کر رہ گیا ہے جس کا لازمی اثر تعلیمی سرگرمیوں پر
بھی پڑا ہے اس بات کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا
ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر منظور الدین احمد کی کوششوں کی بدولت
کراچی یونیورسٹی میں تقریباً پندرہ سال کے طویل عرصے کے
بعد جلسہ تقسیم اسناد کی تقریب منعقد ہوئی۔ اور اس
تقریب میں ممبران سنڈیکیٹ، سینیٹ، جمیع اساتذہ جامعہ
کراچی و کالجز و قائدین شہر کی ایک کثیر تعداد نے شرکت
کی تقریب میں ۱۹۷۵ء سے لیکر ۱۹۸۹ء تک جامعہ کراچی
کے مختلف شعبوں میں نمایاں علمی کارکردگی کا مظاہرہ کرنے
والوں میں پی۔ ایچ۔ ڈی ایم ایس ایم فل کے علاوہ
طلبہ و طالبات میں اسناد اور تمغے تقسیم کئے گئے۔

اس تقریب میں کراچی یونیورسٹی شعبہ علوم اسلامیہ
کے استاد اور ممتاز اسلامی اسکالر جناب جلال الدین احمد
نوری کو نمایاں علمی کارکردگی پر شعبہ علوم اسلامیہ میں
پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی۔ استفسار پر
جناب ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری نے بتایا کہ انہوں نے
اپنا علمی اور تحقیقی مقالہ جس کا عنوان "الامام ابن
دقیق العید المصری المتوفی (۷۰۲ھ) کی علمی و فقہی
خدمات کا تجزیہ تھا تقریباً سات سال میں مکمل
کیا ڈاکٹر نوری نے کہا کہ امام ابن دقیق العید " جو
ایک جلیل القدر محدث اور ابن تیمیہ کے معاصرین فقہاء
محدثین میں شمار کئے جاتے تھے۔

ان کے فقہی اور اصولی خدمات سے متاثر ہو کر ابن
تیمیہ نے انہیں "شیخ الاسلام" کا لقب دیا تھا۔
آپ مسلک کے اعتبار سے پہلے فقہ مالکیہ اور بعد
میں فقہ شافعیہ سے منسلک ہوئے آپ کی ولادت
دوران سفر برائے ادائیگی عمرہ حجاز کے ساحلی علاقہ "ینبع"
میں ۶۲۵ھ میں ہوئی آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد
العلامہ الشیخ ابوالحسن مجدالدین بن علی بن وہب الشافعی
المصری سے حاصل کی جو اپنے وقت کے ایک عظیم محدث
اور فقیہ تھے۔
علامہ شیخ حافظ محمد زکی الدین ابن الجمیزی اور

امام ابن عبدالدائم سے دمشق میں علم حدیث کا سماع کیا اس سلسلے میں اپنے والد کے علاوہ دیگر جن اساتذہ سے علم حاصل کیا ان میں علامہ شیخ بہاء الدین علی ابوالقاسم الشافعی المصری المتوفی ۶۹۷ھ حضرت علامہ شیخ ابوالمعالی احمد بن عبدالسلام بن المطہران الشافعی ۶۷۵ ہجری اور حضرت شیخ العلامہ قاضی القضاۃ۔ عزالدین بن عبدالسلام الشافعی المصری سے فقہ شافعیہ میں کمال حاصل کیا۔ جبکہ حضرت علامہ الشیخ شمس الدین بن محمد الشیخ الاصفہانی المتوفی ۶۸۸ ہجری سے علم قرأت میں کمال حاصل کیا اور اسی طرح امام ابن تقی الدین ابن دقیق العید قاہرہ مصر کے متعدد دینی مدارس میں تدریسی خدمات انجام دینے پر فائز کئے گئے ان میں مدرسہ الصالحیہ (۱) مدرسۃ کاملیۃ مدرسۃ المجدیہ اُستاد (۳) نجیبیہ دارالحدیث قوص۔ مدرسۃ الفاضلیہ مدرسۃ ملوخیا قاہرہ شامل ہیں۔

آپ کے استاد حضرت علامہ شیخ المحدث عزالدین بن عبدالسلام کہتے ہیں کہ میری آنکھوں نے قاہرہ میں آپ جیسا عالم نہیں دیکھا سرزمین مصر مدتوں آپ کی علمی خدمات پر فخر کرتی رہے گی۔

امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ امام تقی الدین دقیق العید اپنے عہد کے ایک بلند پایہ فقہ اور محدث تھے اور آپ کے علمی خدمات کے اثرات صدیوں تک سرزمین مصر پر ثبت رہیں گے حضرت علامہ جلال الدین السیوطیؒ علامہ المحدث السخاوی، علامہ جمال الدین الاسنوی' علامہ شوکانی' کی رائے ہے کہ الامام تقی الدین بن دقیق مرتبہ اجتہاد پر فائز تھے۔ ڈاکٹر نوری نے بتایا کہ الامام ابن دقیق نے متعدد فنون میں کئی تصانیف فرمائیں جن میں۔

۱۔ احکام الاحکام شرح عمدہ الاحکام۔

۲۔ شرح مختصر ابی شجاع / فی فقہہ شافعیۃ۔

۳۔ غایۃ الاختصار۔

۴۔ عیون المسائل فی نصوص الشافعی۔

۵۔ منتھی السول والائل

۶۔ اصول الفقہ

۷۔ عنوان۔ الوصول فی الاصول۔

۸۔ اقتناص السوانح۔

۹۔ دیوان خطب

۱۰۔ الاقتراح فی بیان الاصطلاح۔ اصول الحدیث

۱۱۔ الامام " اس کتاب کا مخطوطہ دمشق کی لائبریری مکتبہ ظاہریہ میں محفوظ اور اس کی علمی حیثیت دنیا میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔

ایک سوال کے جواب میں ڈاکٹر نوری نے کہا کہ پاک و ہند کے جلیل القدر محدث حضرت شیخ عبدالعزیز المحدث الدھلوی (علیہ الرحمۃ) اپنی کتاب بستان المحدثین میں لکھتے ہیں کہ علماء محققین کا اس بات پر اجماع ہے کہ زمانہ صحابہ سے لے کر زمانہ ۷۰۲ ہجری تک متون حدیث کے معانی اور اس کی تدقیق اور اس میں امعان نظر جس قدر امام ابن دقیق العید نے کی کسی اور محدث کو یہ شرف حاصل نہ ہو سکا۔ قرآن و سنت سے مسائل فقیہ کے استنباط کرنے میں انہیں یدطولیٰ حاصل تھا میں نے تحقیق جائزہ میں امام موصوف کے فقہی افکار اور محدثانہ نکتہ نظر کو سامنے رکھا جو یہ ایک مشکل کام تھا

انہوں نے کہا کہ اس وقت پاکستان کے تقریباً ۲۱ر یونیورسٹیز میں اعلیٰ تعلیم کا مکمل انتظام ہے لیکن کراچی یونیورسٹی کی انفرادیت یہ ہے کہ بورڈ آف ایڈوانس اور اکیڈمک کونسل کے فیصلے کے مطابق پی۔ ایچ۔ ڈی اور ایم۔ فل کے تمام مقالے بیرون پاکستان بھیجے جاتے ہیں اور وہاں کے ماہرین تعلیم مقالے پر جو نمبر لگتے ہیں ان نمبرات کو بورڈ آف ایڈوانس میں پیش کیا جاتا ہے۔

اور بورڈ کے فیصلے کے بعد ہی امیدوار کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لینے کے لئے اکیڈمک کونسل جامعہ کراچی اور "سنڈیکٹ" سے سفارش کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر نوری نے کہا کہ انکا مقالہ پی۔ ایچ۔ ڈی عربی زبان میں تھا اس لئے عربی زبان و ادب اور علم فقہ و حدیث کے ماہرین جن کا تعلق یونیورسٹی آف الازہر قاہرہ یونیورسٹی آف موصل عراق اور جامعۃ الدراسات الاسلامیۃ کراچی یونیورسٹی آف کراچی سے تھا بھیجا گیا تھا ان کے دیئے گئے نمبرات کی روشنی میں اور کئی گھنٹے بحث و مباحثہ کے بعد علوم اسلامیہ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری تفویض کرنے کا اعلان کیا گیا۔

ڈاکٹر نوری نے ایک سوال کے جواب میں مزید کہا کہ شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ کراچی میں علوم قرآن تفسیر' حدیث اصول تفسیر' اصول حدیث' فقہ' اصول فقہ اسلامی تمدن' اسلامی فلسفہ عربی زبان و ادب، تقابل ادیان' اسلامی معاشیات اسلامی عمرانیات کی مکمل تعلیم دی جاتی ہے اور شعبہ علوم اسلامیہ کے ڈین پروفیسر ڈاکٹر امتیاز احمد کی زیر نگرانی ابتک اس شعبہ سے کئی ملکی اور غیر ملکی طلباء پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کر چکے ہیں اور حال ہی میں کئی طلباء نے متعدد عناوین کے تحت پی ایچ ڈی اور ایم فل کے لئے اپنا نام رجسٹرڈ کرائے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ پروفیسر ڈاکٹر امتیاز احمد نے شعبہ علوم اسلامیہ کو فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے جو ایک تاریخی ریکارڈ ہے

قارئین کرام

ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری کا بنیادی تعلق چونکہ کراچی یونیورسٹی شعبہ اسلامیات سے ہے اور انہوں نے جامعہ الازہر سے بھی اسلامک لاء میں اسناد حاصل کی ہیں۔ لہٰذا جب ان سے پاکستان کی موجودہ سینیٹ میں پاس شدہ " شریعت بل" کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس بارے میں میری رائے یہ ہے کہ جنوری ۱۹۵۱ میں پاکستان کے مقتدر علماء کرام جن میں بریلوی' دیوبندی اہل حدیث، شیعہ مکتبہ فکر کے علماء کرام نے بالاتفاق جس ۲۲ نکاتی فارمولے پر اتفاق کیا تھا اور اس میں ریاست کے نظریہ اساس' شریعت اسلامیہ کے ماخذ" اساس' معروفات کے فروغ اور منکرات کے انسداد میں ریاست کی ذمہ داری' شہریوں کے لئے ضروریات زندگی کی فراہمی۔ بنیادی شہری آزادیوں کے تحفظ اکتساب رزق کی آزادی ترقی کے مواقع میں یکسانیت اتحاد عالم اسلامی اور دیگر امور رہنما اصول مرتب کئے گئے تھے اور مختلف مکاتب فکر کے مابین پائے جانے اختلافات کو جسے اسلامی دستور کی راہ میں خفیہ طور پر بڑی دشواریاں پیدا کر دی گئیں تھیں ۲۲ر نکاتی فارمولے کی صرف ایک نشست میں نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ طے کر دیا گیا تھا۔ یہ تاریخ بین المسلمین کا نہایت اہم واقعہ ہے پھر اس ۲۲ نکات پر اجماع کر لیا جائے۔ تو سینیٹ سے پاس شدہ نجی شریعت بل کا مسئلہ خود بخود حل ہو سکتا ہے۔ چونکہ ۲۲ نکاتی فارمولے میں کسی بھی مکتبہ فکر کو کسی مکتبہ فکر پر کوئی بالادستی حاصل نہیں ہے۔ اور ہر مکتبہ فکر کے لوگوں کو حدود و قانون کے اندر انہیں پوری مذہبی آزادی دی گئی ہے انہیں اپنے پیروؤں کو اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق تسلیم کیا گیا ہے ان کے شخصی معاملات کے اپنے فقہی مذاہب کے مطابق ہوں گے اور ایسا انتظام آنا مناسب ہو گا کہ انہی کے قاضی یہ فیصلے کریں۔ دیگر امور کے علاوہ ۲۲ نکاتی فارمولے میں یہ بات صاف طور پر تحریر ہے کہ

۱۔ ملک کا قانون کتاب و سنت پر مبنی ہو گا اور کوئی ایسا قانون نہیں بلکہ ان اصول و مقاصد پر مبنی ہو گا جس کی اساس اسلام کا پیش کیا ہوا ضابطہ حیات ہے

۲۔ اسلامی مملکت کا یہ فرض ہو گا کہ وہ مسلمانوں بالخصوص پاکستان کے مسلمان کے درمیان رشتہ اتحاد و اخوت کو قوی سے قوی تر کرے اور ریاست کے مسلم باشندوں کے درمیان عصبیت جاہلیت کی بنیاد پر نسلی' علاقائی یا دیگر مادی امتیازات کے ابھرنے کی راہیں محدود

کرے ملت اسلامیہ کی وحدت کے تحفظ و استحکام کا انتظام کرے۔

۳۔ مملکت بلا امتیاز مذہب و نسل وغیرہ تمام ایسے لوگوں کی انسانی ضروریات یعنی غذا، لباس، مسکن، معالجہ اور تعلیم کی کفالت کرے گی۔

۴۔ باشندگان ملک کو وہ تمام حقوق تسلیم کئے گئے ہیں جو شریعت اسلامیہ نے ان کو عطا کئے ہیں یعنی حدود و قانون کے اندر تحفظ جان، مال و آبرو، آزادی مذہب و مسلک، آزادی عبادت، آزادی ذات، آزادی اظہار رائے۔ آزادی نقل و حرکت، آزادی اجتماع، آزادی اکتساب رزق، ترقی کے مواقع میں یکسانی اور رفاہی اداروں سے استفادے کا حق۔

۵۔ مذکورہ بالا حقوق میں سے کسی شہری کا کوئی حق اسلامی قانون کے سند جواز کے بغیر کسی وقت سلب نہیں کیا جائے گا۔ اور کسی جرم کے الزام میں کسی کو بغیر فراہمی موقع صفائی و فیصلہ کوئی سزا نہ دی جائیگی۔

۶۔ مسلمہ اسلامی مکاتب فکر کے لوگوں کو حدود قانون کے اندر اپنے مذہب کی تعلیم دینے کا حق حاصل ہوگا۔

۷۔ ارکان و عمال حکومت اور شہریوں کے لئے ایک ہی قانون و ضابطہ ہوگا اور دونوں پر عام عدالتیں ہی اس کو نافذ کریں گی۔

۸۔ ملک کے مختلف ولایات و اقطاع مملکت واحدہ کے اجزاء انتظامی متصور ہوں گے ان کی حیثیت نسلی لسانی، یا قبائلی وحدہ جات کی نہیں بلکہ انتظامی علاقوں کی ہوں گی جنہیں انتظامی سہولتوں کے پیش نظر مرکزی سیادت کے تابع انتظامی اختیارات سپرد کرنا جائز ہوگا مگر انہیں مرکز سے علیحدگی کا حق حاصل نہیں ہوگا۔

9۔ دستور کی کوئی ایسی تعبیر معتبر نہ ہوگی جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔ مذکورہ نکاتی دستاویز کو اتفاق رائے سے تیار کرنے والے علماء کرام میں مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا المودودی، مولانا محمد شفیع، مولانا مفتی حامد بدایونی (مرحوم) مفتی علامہ "صاحب داد صاحب" (مرحوم) کراچی۔ مرحوم علامہ جعفر حسین مجتہد (مرحوم) علامہ کفایت حسین مجتہد (پیر صاحب) مانکی شریف) علامہ داؤد غزنوی وغیرہ کا اسماء گرامی سرفہرست ہے اور یہ مذکورہ علماء کرام اپنے اپنے مکتبہ فکر میں مسلمہ حیثیت رکھتے تھے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر مکتبہ فکر کے لوگ انہی نکات پر اتفاق کر کے سینیٹ اور قومی اسمبلی کے اجلاسوں میں بل پیش کریں اور محترمہ بے نظیر بھٹو وزیر اعظم پاکستان جو نہایت ہی سنجیدہ اور جدید علوم سے کماحقہ واقفیت رکھتی ہیں اور انہیں ملکی و غیر ملکی آئین پر مکمل عبور حاصل ہے۔ ان کی توجہ مبذول کرائی جائے تاکہ ملک میں اسلامی نظام کی راہ میں جو رکاوٹیں درپیش ہیں اس کا جلد از جلد ازالہ ہو سکے۔ اسلامی نظام کا نفاذ پاکستانی عوام کی دیرینہ آرزو ہے مگر ہمارے اپنے ملک کے حالات کی روشنی میں اس کے نفاذ کے لئے دو باتیں لازمی اقتضاء کی حیثیت رکھتی ہیں (۱) ایک یہ ملک کی سیاسی وحدت برقرار رہے (۲) یہ کہ قوم اسلام پر متحد و متفق رہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ہمارے ملک کو ان دونوں معاملات میں خطرات درپیش ہیں۔ یہ خطرہ ان حضرات سے زیادہ لاحق ہے جو ملک کے مسلمانوں کو عقائد کی بنیاد پر مختلف جہات میں تقسیم کر رہے ہیں۔

یہ دونوں ہی عناصر نہایت تنگ نظر کوتاہ خیال اور ناعاقبت اندیش ہیں جنہیں یہ نظر نہیں آتا کہ خدانخواستہ اگر یہ ملک ختم ہو گیا یا ان کے دھڑے بندیوں کی بناء پر اس خطہ ارض کی مسلمان قوم ٹوٹ گئی تو وہ تاریخ کا باب ملامت بن جائیں گے۔

# طلبہ میں نقل کا بڑھتا ہوا رجحان

محمد انور قادری

یہ تو ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارے نوجوانوں میں نقل کا رجحان بڑی تیزی سے ترقی کر رہا ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ ہمارے ملک میں نقل کے پودے کو بڑی نزاکت و پابندی سے پانی بھی دیا جا رہا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ ہماری درسگاہوں میں نقل اسطرح ہوتی ہے کہ جیسے کوئی روکنے والا نہیں، امتحانی حال اسوقت بکرا منڈی کا منظر پیش کر رہا ہوتا ہے اور ہمارے اساتذہ اسٹاف روم میں بیٹھے دودھ پتی چائے کے مزے لے رہے ہوتے ہیں، آخر بیچارے کیا کریں۔ چلو خدا کا شکر ہے انہیں کہیں مزا تو آیا ورنہ انہیں اپنی تنخواہوں میں اضافے کی فکر کھائے جاتی ہے خدا کے واسطے غور کیجیئے اگر ہماری نسلوں میں نقل کا زہر اسی طرح سرائیت کرتا رہا تو کیا ہم ترقی کر سکیں گے؟ کیا ہم ایک اچھے شہری بن سکیں گے؟ کیا ہم دنیا کے شانہ بشانہ چل سکیں گے؟ ہرگز نہیں کیونکہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے کہ میں اس قوم کی حالت نہیں بدلتا جو خود اپنے حالات پر غور نہیں کرتی۔

ہم نے پاکستان کو تعصب نفرت، رشوت کے سوا کچھ نہیں دیا اگر اب بھی ہم نے پاکستان کو تعلیم کے زیور سے آراستہ نہ کر سکے تو سمجھنا ہمارا زوال شروع ہو گیا اور جلد ہمارا چمکتا چاند (پاکستان) غروب ہو جائے گا اور چاروں طرف اندھیری ڈراؤنی بھیانک رات شروع ہوگی جسکی کوئی مثال ملنا مشکل ہوگی اور ہم دنیا کو اپنا کھویا ہوا وقار دکھلانے میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

ہمارے تعلیمی نظام کا ذکر بھی بجا نہ ہوگا، یہ دقیانوسی نظام ہم پر زبردستی تھوپا ہوا ہے اور اسکے تبدیل ہونے کے دور دور تک آثار نظر نہیں آتے، مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیلؑ کو اس نظام کو تبدیل کرنے لئے آنا پڑے گا، کیونکہ یہ ہماری حکومت کے بس کی بات نہیں ہے،

کوئی بھی نوجوان طالب علم یہ نہیں چاہتا کہ اس میں قابلیت نہ ہو اور ظاہری قابلیت وہ نقل کے ذریعے حاصل کرے ہر طالبعلم یہ چاہتا ہے کہ اس میں علم کا خزانہ ہو، یہ خزانہ جس کی اسکو طلب ہے کیا وہ گھر بیٹھے حاصل ہوگا کیونکہ کالج، یونیورسٹی، سالہا سال بند رہتے ہیں، ہنگامہ آرائی، کرفیو کی لعنت، نفرت کی آگ، تعصب کی فضا ہمیشہ قائم رہتی ہے، ایسے میں تعلیمی پروگرام خاک چلے گا اب ہمارے یہاں تعلیمی کلاسوں کی بجائے سیاسی جلوسوں کی کلاسیں زیادہ نظر آتی ہیں۔

ایسے ماحول میں بغیر نقل کے امتحان کیسے ہو سکتا ہے نقل تو یونہی ہوتی رہے گی اگر واقعی ہم نقل کے خلاف ہیں اور اسکو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا چاہتے ہیں تو ہمیں کالجوں میں مکمل امن قائم کرنا ہوگا کلاسوں کا نفاذ کنٹینیوز کرنا ہوگا اور سخت ترین قانون نافذ کرنا ہوگا

### خواتین کیلئے سرمایہ کاری کے مواقع

# ناریل کی کاشت

ایک مسافر شدید گرمی کے موسم میں ایک ویران راستے سے گزرتے ہوئے ایک جھونپڑی پر جا پہنچا جس پر ناریل کے درختوں کا سایہ تھا صاحب خانہ نے مسافر کو شربت دودھ اور حلوہ نہایت عمدہ برتنوں میں پیش کیا۔ مسافر نے پوچھا: "جنگل میں یہ لذیذ غذائیں کہاں سے آتی ہیں؟" جھونپڑی نشین نے کہا کہ "یہ سب ناریل کی بدولت ہے! میں کچے ناریل سے پانی، پکے ہوئے سے گری اور پتوں سے حلوہ، شگوفوں سے شربت، پھولوں سے شکر، چھال سے برتن، لکڑی سے ایندھن، پتوں سے چھت، ریشوں سے رسیاں اور تیل سے روشنی حاصل کرتا ہوں۔" درحقیقت یہ درخت انسان کے لئے نہایت مفید ہے۔ پتوں سے لے کر تنے تک اس کا ہر حصہ کسی نہ کسی طرح کام آتا ہے۔ مشہور مسلم سیاح ابن بطوطہ نے اپنے بنگال کے سفر نامے میں لکھا کہ "میں نے بنگال میں ایک ایسا پھل دیکھا جس میں دو روٹی اور ایک گلاس پانی ہوتا ہے" پکے ہوئے ناریل کے اگر دو حصے کر دیئے جائیں تو اس میں سے ایک گلاس پانی برآمد ہوتا ہے اور دونوں حصے روٹی سے مشابہت رکھتے ہیں اس کثیر الفوائد درخت کے لئے کھوپرا اپر ٹیکنکل معروف بھی ہیں اور اس سے خوش ذائقہ مٹھائیاں بھی تیار کی جاتی ہیں اگر تازہ ناریل کو کھرچ کر اس کا عرق نچوڑ لیا جائے اور جھینگے یا مچھلی میں ملایا جائے تو ان کا ذائقہ نہایت لذیذ اور سوندھا ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے سالن کا بنگال میں خاص خاص مواقع پر اہتمام کیا جاتا ہے۔ کچا ناریل مفرح القلب ہے اور پیٹ کی بہت سی بیماریوں میں مفید ہوتا ہے خاص طور پر جن بچوں کے پیٹ میں کیڑے ہو جاتے ہیں انہیں کچا ناریل کھلایا جائے تو تمام کیڑے نکل جاتے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب تک کا انسان سائنسدان ہو گیا ہے اس بیماری کی حالت میں اس کا پانی مفید سمجھا جاتا تھا۔ اس کے

پتوں کے تنکوں سے جھاڑو بنتی ہے ہمارے یہاں یہ جھاڑو کثیر زرمبادلہ خرچ کرکے درآمد کی جاتی ہے ناریل کے پھل (گری) سے تیل کشید کیا جاتا ہے جو بالوں کے لئے بھی مفید ہے اور کھانے کے تیل و گھی میں استعمال ہوتا ہے پاکستان ہر سال دو ارب روپے کا زرمبادلہ خرچ کرکے کھانے کا تیل درآمد کرتا ہے۔ ناریل کے چھلکے کو خشک کرکے اس میں سے ریشہ نکالا جاتا ہے۔ جس سے رسے بنائے جاتے ہیں خام حالت میں یہ چھلکا بطور پیال، گدوں، صوفوں اور تکیوں میں استعمال ہوتا ہے یہ گدے کم لاگت کے اور بے ضرر ہوتے ہیں۔ ناریل کا تنا لکڑی کے شہتیر کا کام دیتا ہے اور گاؤں میں مکانات اور جھونپڑیوں کی تعمیر میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اس ماہ احوال کی خواتین قارئین کو سرمایہ کاری کے لئے اسی بے مثال درخت کی کاشت کی جانب متوجہ کیا جا رہا ہے تاکہ وہ کم محنت اور کم سرمائے سے ایک طویل المیعاد فائدہ مند سرمایہ کاری کریں جس سے نہ صرف ان کو فائدہ ہوگا بلکہ ان کے بعد کی نسل بھی استفادہ کرتی رہے گی

ناریل عام طور پر مشرق بعید کے ممالک، یعنی فلپائن، تھائی لینڈ، ملائیشیا، سری لنکا، جنوبی بھارت اور بنگال میں وسیع پیمانے پر کاشت کیا جاتا ہے

اس درخت کی لمبائی ۶۰ فٹ سے ۱۰۰ فٹ تک ہوتی ہے۔ تین سے پانچ سال کی عمر تک پھل دینا شروع کر دیتا ہے۔

جغرافیائی لحاظ سے دیکھا جائے تو دنیا کے مختلف علاقوں میں کاشت کے اعتبار سے ناریل کے درخت کو اولین حیثیت حاصل ہے یہ دنیا میں سب سے زیادہ تیل پیدا کرنے والا درخت ہے ۶۲ سے زائد ممالک میں اس کی کاشت کی جاتی ہے اور معاشی اعتبار سے اس کا شمار دنیا کے اہم ترین درختوں میں ہوتا ہے۔

ناریل کے درخت کو ایسی گرم آب و ہوا درکار ہوتی ہے جس میں بہت زیادہ تغیر نہ ہو ان علاقوں میں اوسط سالانہ درجہ حرارت ۲۷ درجے سینٹی گریڈ یا اس سے زیادہ ہو جہاں یہ خوب پھلتا اور پھولتا ہے درجہ حرارت گر جائے تو اس کو کوئی خاص نقصان تو نہیں پہنچتا البتہ شرح نمو متاثر ہوتی ہے۔ زیادہ درجہ حرارت اس وقت نقصان پہنچاتا ہے جب ہوا میں نمی کا تناسب بھی کم ہو جائے۔ عام طور پر اس کی کاشت ۱۰۰۰ ملی میٹر سے ۲۳۰۰ ملی میٹر (۴۰ انچ تا ۹۰ انچ) سالانہ بارش میں نہایت بہتر ہوتی ہے لیکن بہت سے ایسے علاقے جہاں بارش کا سالانہ اوسط ۴۰ انچ سے کم ہے۔ وہاں بھی اس کی کاشت کامیابی کے ساتھ کی گئی ہے سندھ اور بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں بارش کی کمی کو مصنوعی آبپاشی سے پورا کیا جاتا ہے۔

ناریل کا درخت مختلف قسم کی مٹی اور زمینوں میں اُگ سکتا ہے لیکن زرخیز مٹی اس کے لئے مناسب ہے اس درخت کے لئے ہموار اور پانی کی نکاسی کی صلاحیت رکھنے والی زمین موزوں ہوتی ہے کراچی، ٹھٹھہ، گوادر اور سندھ و بلوچستان کے ساحل کے ساتھ تیس میل چوڑی پٹی ناریل کی کاشت کے لئے موزوں سمجھی جاتی ہے اور یہاں گزشتہ چند برسوں میں ناریل کی کاشت کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ سرکاری شعبہ میں بھی ناریل کی کاشت کو فروغ دینے کی کوششیں ہو رہی ہیں حکومت کا منصوبہ ہے کہ کراچی سے گوادر تک کے ساحلی علاقے میں بڑے پیمانے پر ناریل کی کاشت کی جائے۔ پاکستان میں اس وقت ناریل کے پودے سری لنکا سے درآمد کئے جا رہے ہیں ان کی تین چار قسمیں ہیں۔ ناریل کے جو درخت پاکستان میں بہت پہلے سے لگے ہوئے ہیں ان کو مقامی قسم کہا جاتا ہے۔ درآمد شدہ پودوں میں مندرجہ ذیل اقسام شامل ہیں۔

۱۔ ڈوال ٹیپکا ۲۔ ٹیکا گولڈن ۳۔ گولڈن کنگ

... گولڈن ملایا

ناریل ٹیکا دو اقسام مشہور ہیں۔ ایک سادہ ٹال ٹیکا اور دوسری کو ٹال ٹیکا بائی بریڈ کہتے ہیں۔ ٹال ٹیکا ناریل کا درخت بہت لمبا ہوتا ہے۔ چھ سے سات سال کی عمر میں پھل دینا شروع کرتا ہے اس کی اوسط عمر ساٹھ سے ستر برس ہوتی ہے۔

ٹال ٹیکا بائی بریڈ تین فٹ کے تنے پر پھل دینا شروع کر دیتا ہے اس کی عمر سادہ کے مقابلے میں کم یعنی بیس سے ۲۵ سال ہوتی ہے تین سال بعد پھل حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

ٹیکا گولڈن کا رنگ سنہرا ہوتا ہے یہ ٹال ٹیکا بائی بریڈ سے تھوڑا مختلف ہے اس کا پھل چھوٹا ہوتا ہے سال میں ایک درخت سے دو سو پھل حاصل ہوتے ہیں۔ اوسط عمر ۵۰ سال ہے۔ ساڑھے تین سال کی عمر میں پھل دینا شروع کر دیتا ہے۔

گولڈن ٹنگ کا پھل بڑا ہوتا ہے سال میں اوسطاً ایک سو پھل حاصل کیے جاسکتے ہیں اس کی سادہ قسم دس سے بیس فٹ لمبائی پر اور ٹال قسم ۲۵ فٹ کی لمبائی پر پھل دینا شروع کر دیتی ہے۔

ناریل کے درخت کی قسم ملائشیا سے دنیا میں پھیلی جاوا اس وقت سری لنکا اور فلپائن سے دنیا بھر میں فائدہ ہو رہا ہے اس کا پھل بڑا ہوتا ہے سال میں ایک درخت سے دو سو سے ڈھائی سو پھل حاصل ہوتے ہیں تیل نکالنے کے لئے ناریل کی یہ قسم بہت اچھی ہے کیونکہ اس میں گری زیادہ ہوتی ہے ساڑھے تین سال کی عمر میں پھل دینا شروع کر دیتا ہے لیکن یہ درخت پانچ سال کی عمر میں صحیح طور پر بار آور ہوتا ہے۔

گولڈن ملایا کا پھل چھوٹا ہوتا ہے۔ سال میں ایک درخت سے تین سو پھل حاصل ہو سکتے ہیں، تین سال کی عمر میں پھل دینا شروع کر دیتا ہے ہمارے یہاں چونکہ خوردنی تیل کی ضرورت ہے اس لئے [illegible] کا ناریل زیادہ سود مند ہے۔ اس وقت پاکستان میں جس رقبے پر ناریل کی کاشت ہو رہی ہے اس سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ آئندہ دس سال میں ہم ناریل کے تیل کی پیداوار میں خود کفیل ہو جائیں گے اور ناریل کا تیل نکالنے کے کارخانوں کی ضرورت پیش آئے گی اور سرمایہ کاری کا ایک اور موقع پیدا ہوگا۔

ناریل کا پودا سرکاری فارم سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ نرسری سے بھی سندھ اور بلوچستان میں [illegible] محکمہ زراعت اور محکمہ جنگلات عوام کو [illegible] ناریل کے پودے فراہم کرتے ہیں۔ [illegible] ناریل فارم سے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ سرکاری فارم سے یہ پودے ۲۰ روپے سے ۳۰ روپے فی پودا تک مل سکتے ہیں۔ نجی نرسریوں میں ایک پودے کی قیمت سو روپے سے دو سو روپے ہے۔

## نرسری کا انتظام

ناریل کی کاشت میں نو عمر پودوں کا انتخاب نہایت اہم ہے۔ ناریل کے بیج کو براہ راست باغ میں لگانا درست نہیں۔ ناریل کا بیج ناریل کے درخت سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے ناریل کو درخت پکنے کے بعد درخت سے توڑا نہیں جاتا بلکہ وہیں رہنے دیا جاتا ہے، کچھ عرصہ بعد یہ ناریل خشک ہو جاتا ہے اور بیج کا کام دیتا ہے۔ بیج کو نرسری میں لگانا چاہیے اور جب پودے ذرا بڑے ہو جائیں تو انہیں نرسری سے نکال کر باغ میں لگا دینا چاہیے۔ شہروں میں ناریل کاشت کرنے والے حضرات اور خواتین کو بیج حاصل کرنے کے بجائے نرسری سے پودے حاصل کر کے لگانا چاہئیں۔ کم سے کم ایک سال کا پودا منتخب کرنا چاہیے اس لئے کہ جو بیج ناقص ہوتے ہیں ان کے بارے

> کراچی، ٹھٹھہ، گوادر
> اور سندھ و بلوچستان
> کے ساحل کے کنارے
> ناریل کی کاشت کے لئے
> موزوں سمجھی جاتی ہے!

میں پودے کی نشوونما کی رفتار سے ایک سال کے اندر اندر اندازہ ہو جاتا ہے۔ پودے کی جلد نشوونما اور مضبوطی اس کی قوت کا پتہ دیتی ہے طاقتور پودے سیدھے بڑھتے ہیں ان کے [illegible] مضبوط، گہرے سبز، چوڑے اور لمبائی میں نسبتاً چھوٹے ہوتے ہیں ان کی رگیں واضح اور پتے کی ڈنڈیاں چھوٹی ہوتی ہیں۔ پتوں کا پھیلاؤ باہر کی جانب ہوتا ہے۔ تمام ٹھگنے اور کمزور پودوں کو جن کے تنے کمزور ہوں، پتے زردی مائل سبز اور غیر متناسب طور پر لمبوترے ہوتے ہیں۔ فوراً رد کر دینا چاہیے اور ان کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے۔

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے، ناریل کا درخت ساٹھ سال کی عمر تک پھل دیتا ہے اس لئے اچھے پودے کا انتخاب نہایت اہم کام ہے جس میں پوری توجہ اور احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

پاکستان میں ناریل کی کاشت سال میں دو مرتبہ۔ یعنی فروری تا مارچ اور جولائی تا اگست ہوتی ہے۔ پاکستان میں بہت کم عمر یا پرانے درخت ہیں جن سے بیج حاصل کیے جاتے ہیں۔

## ناریل کی درآمد

- آمدنی مالیت ہزاروں روپوں میں

| ناریل | ۸۵-۱۹۸۴ء | ۸۴-۱۹۸۳ء |
|---|---|---|
| ناریل خشک اور تازہ | ۴,۱۰۳ | ۳,۵۹۹ |
| تازہ ناریل | ۸۰۲ | ۸۳۰ |
| کھوپرا | ۳,۲۹۹ | ۲,۷۹۹ |

● ذریعہ: غیر ملکی تجارت کے درآمدی اعداد و شمار

عام طور پر سرکاری اور تجارتی نرسریوں میں سری لنکا اور مشرق بعید کے دیگر ممالک سے درآمد شدہ پودے فروخت ہوتے ہیں ۱۹۷۱ء سے پہلے ناریل کے پودے مشرقی پاکستان سے منگا کر لگائے جاتے تھے لیکن اس زمانے میں یہاں ناریل کی کاشت کا رجحان نہیں تھا۔

ناریل کا درخت ریتیلی زمین میں زیادہ مفید رہتا ہے ٹھہرا ہوا پانی اس کے لئے نقصان دہ ہے اس لئے پودوں کے لئے نکاسی نالیاں ضروری ہیں جنہیں ہر وقت صحیح حالت میں رکھنا چاہیے تاکہ پانی ٹھہرے نہیں بلکہ بہہ جائے۔ اس طرح پودے کی جڑیں سیم سے محفوظ رہیں گی۔ ناریل کی جڑیں کم سے کم سات فٹ گہرائی میں جا سکتی ہیں پانی کی سطح تین فٹ سے نیچے ہو تو بہتر ہے۔ باغ میں لگانے کے لئے ناریل کے پودے کو تین فٹ لمبے، تین فٹ چوڑے اور تین فٹ گہرے گڑھے میں تیار رکھا جاتا ہے۔ گڑھوں کے درمیان دس فٹ کا فاصلہ ہونا چاہیے۔ بڑے پیمانے پر کاشت کے لئے فی ہیکٹر ۱۵۲ پودے لگنے چاہئیں جو مربع طریق میں ۲۶ فٹ کے فاصلے سے اور مستطیل طریق میں ۲۸ فٹ اور ۲۴ فٹ کے فاصلے پر لگے ہوں ناریل کے پودے کے گڑھے میں دو حصے اچھی مٹی اور ایک حصہ ریت کے گوبر کی کھاد ڈالنی چاہیے۔ ملی جلی کھاد کھیت کے فضلے کی کھاد کے متبادل کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے گڑھے کو سطح زمین سے تقریباً ۲۲ سینٹی میٹر (۹ انچ) تک مٹی اور کھاد کے اس آمیزے سے بھر دینا چاہیے۔

نو عمر پودے کو گڑھے کے درمیان میں اس طرح لگایا جائے کہ پودا اگا ہوا ناریل مٹی میں دب جائے۔ شجر کاری کیلئے مون سون کا موسم یا موسم بہار میں موزوں رہتا ہے۔

(بشکریہ: رابطہ انٹرنیشنل)

AHWAL Weekly Regd. NO M-476, AUGUST 9 TO 15 1990.

برسات کا موسم شروع ہوتے ہی خون میں شامل فاسد مادّے جسم پر پھوڑے، پھنسیوں، دانوں، مہاسوں اور خارش کی شکل میں اُبھر آتے ہیں۔ چہروں کی رونق ماند پڑ جاتی ہے۔ طبیعت پژمُردہ ہو جاتی ہے۔

موسم برسات کے ان منفی اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے صافی استعمال کیجیے۔ صافی کا باقاعدہ استعمال خون کو فاسد مادّوں سے پاک کر کے جلدی بیماریوں سے نجات دلاتا ہے اور چہرے کو شگفتگی و شادابی عطا کرتا ہے۔

خون صاف چہرہ شاداب

غیبت اللہ کی نافرمانی ہے

ADARTS-HSF-3/88